ایمل رضا

ایک بوڑھا وجود برگد کے ذریعے اپنے شکوے اپنے پیاروں تک پہنچا رہا ہے۔

"ننانو ہینڈی کرافٹ کا کام کرتی ہیں۔ انار کلی بازار میں وہ ایک دکان بڑی کامیابی سے چلا رہی ہیں۔ نانو یشار اور باسل دونوں بھائیوں کی سرپرست بھی ہیں۔ یشار نفسیات کا ڈاکٹر ہے اور اپنا کلینک چلاتا ہے۔ باسل اس کا چھوٹا بھائی اس کا اسسٹنٹ ہے۔ دونوں ایک سیمینار میں شرکت کے لیے فرانس جاتے ہیں جہاں ان کی ملاقات زل سے ہوتی ہے۔ زل اپنے ڈیڈ کی نفسیاتی کیفیت کی وجہ سے پریشان ہے۔ وہ لاتعداد ڈاکٹرز سے علاج کروا چکی ہے اور اب یشار کو آخری امید سمجھ کر اس کے پاس آتی ہے۔ علاج کے دوران باسل اور زل کی کئی ملاقاتیں ہوتی ہیں جس کے باعث دونوں میں محبت کا جذبہ پنپنے لگتا ہے۔

مکمل ناول

حال کی کھڑکی بند ہوتے ہی ماضی اپنا در وا کرتا ہے جہاں نگار ایک جرأت منداور نڈر لڑکی موجود ہے۔ یونی ورسٹی کے پہلے دن کے مذاق کی بدمزگی کے بعد اسے اپنے کلاس فیلوز زیان عالم اور اس کے گروپ سے نفرت ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے جب زیان عالم یونین کے صدر کی حیثیت سے الیکشن لڑتا ہے تو نگار اس کے مخالف مصباح کو سپورٹ کرتی ہے۔ نگار کی نظر میں زیان عالم ایک برے کردار لڑکا ہے۔ جس کی والدہ گلناب عالم بھی متنازعہ شخصیت کی مالک ہیں۔ ہال میں ہوتی تقریر کے دوران نگار زیان کو اس کی ماں کے گرے ہوئے کردار کا طعنہ دیتی ہے اور زیان بدلے کے طور پر نگار اور حسن کی تصویریں یونی ورسٹی کے نوٹس بورڈ پر لگادیتا ہے۔ نگار غصے میں گرم چائے کا کپ زیان کے منہ پر دے مارتی ہے۔ زیان غصے سے پاگل ہوجاتا ہے۔ وہ نگار کو اغوا کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پروفیسر صغیر ربانی کی وجہ سے ناکام ہوجاتا ہے۔

نگار گھر آتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے ایک رشتہ آیا ہے.... زیان عالم کا....

یشار زل کو پاکستان آنے کے لیے کہتا ہے کہ وہ پاکستان آکر اپنے دادا، دادی کی قبریں تلاش کریں۔ زل پاکستان آچکی ہے۔ نانو زل سے کہتی ہیں کہ وہ ان کے گھر رہ لے، جس پر زل نانو کے گھر رہنے لگتی ہے۔ باسل اور زل میں محبت بڑھنے لگتی ہے۔ باسل زل کو شادی کے لیے پروپوز کردیتا ہے۔

حسن، نگار کو چھوڑ کر امریکہ جاچکا ہے۔ نگار یونی ورسٹی کے تمام واقعات اپنے باپ کو بتادیتی ہے، جسے سمجھ کر وہ گلناب عالم کو زیان عالم کے رشتے کے لیے انکار کردیتے ہیں۔ نگار کے والد خدا یار کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے، جہاں اتفاق سے زیان عالم موجود ہوتا ہے اور وہ خدا یار کا بہت خیال رکھتا ہے۔ آخر کار نگار زیان سے شادی کے لیے مان جاتی ہے۔ شادی ہوچکی

ہے۔ دونوں سیر کے لیے سیاحتی مقام پر آئے ہیں۔ نگار زیان کو پسند کرنے لگی ہے۔ ریسٹ ہاؤس میں وہ زیان کے ساتھ یشب اور سدیم کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔ زیان ان دونوں دوستوں کی موجودگی میں نگار کو طلاق دے کر اپنی اصلیت کا نقاب الٹ دیتا ہے۔

تیسری قسط

علی الصبح کا چراغ غلاظت کی سیاہی کی تاب نہ لا سکا اور بجھ گیا۔ زیان کی آواز صورِ اسرافیل کی مانند بلند ہوئی اور کمرے کے درودیوار سمیت پہاڑوں، درختوں اور چرند پرند کو بھی دہلا گئی۔ نگار پھٹی پھٹی آنکھوں سے زیان کو دیکھنے لگی۔ اس کے عین قدموں کے نیچے کی زمین کی ساتوں تہوں میں شدید زلزلہ آیا تھا۔ اور اس زلزلے میں کیسی کیسی تباہ کاریاں پنہاں تھیں۔ وہ جانتی تھی۔ زیان کو دھکا دے کر وہ دروازے کی طرف بھاگی۔ سدیم نے اٹھ کر خود کو دروازے کے راستے میں حائل کیا۔ تین مرد ایک جگہ ایک ہی نیت سے کھڑے ہوں تو دروازوں کو مقفل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جڑ سے تنا بنا اور برگد نے ضعیفی کا سفر طے کیا۔

یشب آگے بڑھا اور اس نے ایک ہی جھٹکے میں اس کا دوپٹہ اس کے جسم سے الگ کر دیا۔

برگد کی لمبی شاخیں نکل آئیں۔ آکاس بیل آسمان تک جا پہنچی اور پہلا سوال اس کی شاخ سے باندھ دیا گیا۔

"انسان کی غرقابی کی ابتدا کیا ہے؟"

کیا یہ تین.... شر.... شری.... شیطان۔"

دوپٹہ فرش پر دور جا گرا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے وجود کے گرد لپیٹ لیے اور چلا دی۔ "نہیں۔"

برگد کی دوسری شاخ نے دوسرے سوال کو اپنی شاخ سے بندھتے ہوئے دیکھا۔

"کیا وہ تین ہیں.... ؟ جلد باز خطا کار گناہ گار...."

سدیم نے اسے بالوں سے کھینچ کر پکڑ لیا۔ وہ چلائی۔

"خدا کے لیے نہیں۔"

زیان نشیلی چال چلتا ہوا ٹیبل سے شراب کی ایک بھری بوتل پکڑ کر اس کے قریب آیا۔ نگار کے بے بس وجود پر اوپر سے نیچے تک اس نے ایک وحشیانہ نظر ڈالی اور ہونٹ موڑے اس کے چہرے پر سیٹی کی آواز چھوڑنے لگا۔

"ایسا مت کرو زیان.... مجھ پر رحم...." اس کا فقرہ درمیان میں ہی رہ گیا۔ زیان نے غصے سے اسے دیوار کے ساتھ لگایا اور اپنی کہنی کا دباؤ اس کی گردن پر بڑے زور سے ڈالا۔

"میں تو ایک گھٹیا خون ہوں.... ایک بدکار عورت کا بدکار بیٹا۔ کیا تمہیں مجھ سے اسی فعل کی امید نہیں تھی.... پھر تم مجھ سے رحم کی امید کیونکر کر سکتی ہو۔" وہ نخوت سے بولا۔

غم کے مارے نگار کی آواز اس کے حلق میں ہی بیٹھ گئی۔ لیکن وہ گردن کو تیزی سے ناں میں ہلائے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنے والے لمحوں کا خوف تھا۔

"چنگیزی نے کہا تھا شراب روح کو جھلساتی ہے.... وہ تم سے واقف نہیں تھا۔" اس نے شراب کی بوتل کو اس کے سامنے لہرایا "اور تم اس سے۔"

کھلے منہ کی بوتل کو اس نے اس کی پیشانی پر رکھا اور انڈیلنا شروع کر دیا۔ سیال کی دھار نے اس پر پہاڑوں کے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے کے منظر کو واضح کیا۔ اس نے زمین کو جام سفال میں ٹوٹتے، اجڑتے، غرق ہوتے دیکھ لیا۔ اس کا لباس گیلا ہو کر اس کے جسم کے ساتھ آ لگا۔ اور بے بسی کے بے تحاشا آنسو اس کی آنکھوں سے

بہہ نکلے۔ گارڈن ہاؤس فانوس سے بھرپور روشن تھا۔ اس کے شیشے کی دیواروں کو بے نقاب ہی رہنے دیا گیا۔
غرقابی ہو تو مکمل ہو.... رسوائی ہو تو کامل ہو۔

✡ ✡ ✡

چھت میں نصب شیشوں کو وہ بڑی دیر سے دیکھ رہی تھی۔ ان شیشوں میں بہت کچھ نمایاں تھا۔ ایک شخص کے انتقام کی سلگتی ہوئی آگ... دو دوستوں کی سازش .... ہوس اور اس کے آنسو۔
اس نے اللہ کو پکارنا چاہا.... لیکن ناکام رہی۔
اس کے دوپٹے میں گرہ باندھ کر اس کے منہ میں ٹھونس دی گئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر بندھے تھے۔ انہیں اتنا سا تردد کرنے کی بھی نجانے کیوں ضرورت رہی تھی۔ کیونکہ پہاڑ بے بس تھے۔ جھرنے ادھ موئے اور درخت اپنی اونچائی سمیت زمین میں گڑ ـــ چکے تھے۔ اس دوران وہ ان سے اتنی بار رحم کی فریاد کر چکی تھی کہ اگر وہ یہ سب کسی پتھر سے کہتی تو اس پتھر کو بھی اس پر رحم آجاتا۔ وہ تڑپتے تڑپتے جیسے بے دم ہو گئی۔
"انسان کی جو حد مقرر ہے وہ اس حد کو پھلانگنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ میں انسان کی اس بے تابی سے ڈرتا ہوں۔"
بے پردہ شیشوں کی دیواروں سے باہر سرخ آندھی چلنا شروع ہو گئی تھی۔ بادل جی جان سے گرج رہے تھے۔ شب یلدا میں بجلی کاملیت سے چمک رہی تھی۔ گونج لحہ بہ لحہ تیز سے تیز تر ہو رہی تھی۔ باہر قدرت کے اشاروں کے سارے اہتمام موجود تھے۔ اس نے اپنے بند ہوتے دل کو تھام لیا۔
کیا وہ تین ہیں؟ ابتدا کرنے والے.... انتہا تک لے جانے والے۔ "پشت پناہ" "سدیم" "سیاہ کار" "شب" "گدھ ذات" زیان۔
دو آنسو نکل کر بہت سے خشک ہو چکے آنسوؤں کے اوپر پھر سے لکیر بناتے چلے گئے۔ اس نے آخری بار چھت کو دیکھا اور خود کو چھت کے پار والے کے سپرد کر دیا۔ اسے اللہ کے ننانوے ناموں اور ان کی ننانوے صفات کے ساتھ اس کی ضرورت آپڑی تھی۔
"مکڑی نوزائیدہ شکار کے گرد جالا بن دے تو آسمان بجلی کی کڑک سے گونج اٹھتا ہے۔" بجلی نے باہر پھر شور مچایا اور اندر زیان عالم کے گلے میں جھولتا مکڑی والا لاکٹ اس کے منہ پر آلگا۔

✡ ✡ ✡

فضا میں شام کی اوس تھی۔ جس نے بڑھتے بڑھتے پھوار اور پھر پانی کے ننھے ننھے قطروں کی صورت اختیار کرلی۔ زمل نے نظر اٹھا کر آسمان کے مزاج کو پرکھا اور گھنے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر اس کی آغوش میں چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ سردی میں اس کا فی الحال بھیگنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ دوسرا آج وہ نانو کو کوئی اشارہ بھی نہیں دینا چاہتی تھی۔
دو دن پہلے بھی اسی طرح ہوا تھا۔ باسل نے اسے صبح ہی بتا دیا تھا کہ وہ آج اسے اپنے دوستوں سے ملوانا چاہتا ہے۔ شام کو تیار ہوتے وقت جب نانو نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے تو نجانے کیوں وہ سچ نہ بتا سکی۔ اور اس نے کہہ دیا کہ وہ این جی او کے تحت ہونے والے سیمی نار میں شرکت کے لیے جا رہی ہے۔ یہ جھوٹ کار آمد ثابت ہو جاتا اگر شام کے وقت بارش نہ ہو جاتی۔ دوسرا زمل اور باسل دونوں اکٹھے ہی گھر کے اندر داخل نہ ہوئے ہوتے۔
"کیا تم دونوں ایک ساتھ کہیں گئے تھے۔" نانو نے حیرت سے دونوں کو ایک ساتھ اندر آتے دیکھ کر پوچھا۔
"نہیں نانو.... میں تو ٹیکسی سے اتر رہی تھی جب باسل بھی آگیا۔" اس کے اس سفید جھوٹ پر باسل پہلے تو حیران رہ گیا پھر ہنستا ہوا اندر چلا گیا۔
"تم بھیگی ہوئی بھی ہو زمل.... باسل کی طرح کتنا عجیب اتفاق ہے یہ بھی.... چلو اندر.... سردی نہ لگ جائے.... کیا سیمی نار اوپن ہال میں ہو رہا تھا۔"
"نہیں.... وہ بس۔" اس سے اپنے جھوٹ کی لاج

نبھانا مشکل ہوگئی۔

"تم ٹیکسی گھر تک کیوں نہیں کرواتیں زمل۔" نانو نے اپنی ہنسی بمشکل دبائی اور زمل کے لیے اپنے کمرے تک جانا محال ہوگیا۔

سارا واقعہ یاد کر کے اسے ہنسی آئی۔ اگر وہ فرانس جا کر اپنی میڈ کو یہ تمام باتیں سنائے تو انہیں اس سے بھی زیادہ ہنسی آئے۔ دنیا میں بعض جگہوں پر ابھی بھی پرانی اور ایسی روایات زندہ تھیں۔ اس کا بچپن سدیم انکل کے ساتھ نہ گزرا ہوتا تو یقیناً" وہ بھی ایسی باتوں پر تعجب کا اظہار کرتی۔ سوچ سوچ کر وہ مسکراتی رہی۔

باسل دور سے بھاگتا ہوا اس کے قریب آرہا تھا۔ وہ خود بھی بارش سے بچ رہا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ میں پکڑے دو بھنے ہوئے بھٹوں میں سے ایک اس کی طرف بڑھایا۔ زمل نے وہ بغیر کور کے ہی پکڑ لیا اور وہ بھٹہ اتنا گرم تھا کہ اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

"دھیان سے یار۔" باسل نے بروقت اس کے ہاتھ کے نیچے اپنا ہاتھ رکھا۔ زمل سمٹ کر رہ گئی۔

مردانہ مضبوط ہاتھوں کا لمس جب نازک انگلیوں سے چھوتا ہے تو نہ جانے کیوں دل کے کسی نہاں خانے میں قید انجانے جذبوں کو تقویت دیتا ہے۔ انہیں ٹھوس کر دیتا ہے۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔ یہ لمس زیادہ گرم تھا۔ کہیں اب کی بار وہ خود ہی نہ بکھر کر رہ جائے۔ اسے پھر سے سمیٹنے والوں دونوں ہاتھ بھی یہ ہی ہوں۔ وہ سمٹے.... دوبارہ بکھرے.... اور دوبارہ سمٹے۔

"کیا ہوا ٹرائی تو کرو....." اسے اس طرح بت بنا دیکھ کر اس نے چٹکی بجا کر اسے چونکایا۔ اور اس نے تقلید میں گرم گرم بھٹے پر اپنے دانت گاڑ دیے۔

"یہ میرا نانو کا اور ریشار کا فیورٹ پارک ہے۔" وہ دانے ایک ایک کر کے منہ میں ڈالتا ہوا اسے بتانے لگا "یہاں کچھ درخت صدیوں پرانے بھی ہیں۔"

"ہاں.... مجھے یہاں سے ندامت کی بو آرہی ہے۔"

"ہم اکثر اوقات یہاں آتے رہے ہیں.... نانو صبح کی واک یہیں کیا کرتی تھیں۔ میرے ساتھ.... لیکن جب سے نانو نے اپنی شاپ کھولی ہے۔ تب سے واک والی روٹین تو ختم ہی ہو کر رہ گئی ہے۔"

"نانو بہت محنتی ہیں.... میں نے ان کی زندگی سے بہت کچھ سیکھا ہے.... اور وہ بہت اچھی بھی ہیں۔"

"پھر تم نے ان سے پرسوں جھوٹ کیوں بولا کہ تم سیمینار میں گئی تھیں۔" وہ شوخی سے پوچھنے لگا۔

"پتا نہیں.... میں تمہیں انکار بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اور انہیں سچ بھی نہیں بتانا چاہتی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہیں میری کسی حرکت سے وہ ناراض ہی نہ ہو جائیں۔ ان کی طرف سے مجھے ہمیشہ ایک ڈر لاحق رہتا ہے۔"

"نانو کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوتیں۔" اس نے اسے بتایا۔

"اور مجھ پر ہر وقت احتیاط کا خبط سوار رہتا ہے.... اتنی ساری خوبیاں اور کسی شخصیت میں نہیں ملیں گی مجھے۔"

"تمہیں ان کے جیسی محبت بھی نہیں ملے گی۔" وہ کہہ کر خاموش ہوا اور کچھ توقف کے بعد بولا۔

"سوائے ایک کے۔" اور مسکراتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے زمل کی طرف دیکھا۔

زمل دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ وہ اس کا اشارہ خوب سمجھ رہی تھی۔ "بارش تیز ہو رہی ہے۔"

بارش تیز نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ویسے ہی قطرہ قطرہ برس رہی تھی۔ اس نے بات بدلنے کی غرض سے کہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں.... تمہیں بھیگنے نہیں دوں گا۔" اس نے اپنی جیکٹ اتار کر زمل کو تھمادی۔ "کبھی بھی۔" آہستگی سے کہا گیا۔ بتایا گیا۔ جیسے وعدہ کیا گیا یا کوئی عہد ہی دے دیا گیا۔ یعنی اس کا بات بدلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ زمل حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔ آسمان پر ست رنگی قوس قزح نکل آئی۔

"ہماری میزبانی ایسی ہی ہوتی ہے۔" اس نے جتانے والے انداز سے کہا تو زمل اداس ہو گئی۔

"یعنی تم شکوہ کر رہے ہو کہ جب تم فرانس آئے تھے تو...." اس نے کہا اور صرف باسل سے کہا ہی نہیں۔ وہ خود بھی ایسی ہی سوچ رکھتی تھی۔

جب سے وہ حبیب اللہ روڈ شفٹ ہوئی تھی۔ اسے یہ ہی بات ستا رہی تھی۔ نانو کس قدر اعلا میزبان تھیں۔ باسل اور ریشار بھی انہوں نے کس طرح ایک اجنبی کو اپنے گھر میں جگہ دی ہوئی تھی اور گھر سے بھی زیادہ شاید دل میں۔ اپنوں سے بھی بڑھ کر وہ اس کا خیال رکھ رہے تھے۔ جیسے وہ ان کی ہی کوئی گم شدہ رشتے دار ہو۔ اس سے کوئی پرانا تعلق ہو لیکن اس تعلق کا نام یاد نہ ہو۔ یاد کرنے کی ضرورت بھی نہ ہو۔

کیا ایسے لوگ دنیا میں اور بھی ہیں؟

"ارے نہیں بھئی.... میں نے تو ویسے ہی کہا ہے.... تمہیں ٹونٹ نہیں کیا.... مجھے اندازہ ہے کہ تب تم اپنے ڈیڈ کی وجہ سے کس قدر پریشان تھیں۔" ڈیڈ کا ذکر چھیڑ کر باسل نے اسے پھر سے ڈیڈ کی یاد دلا دی۔

وقتی طور پر وہ بھول جاتی تھی کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ اسے کہاں جانا ہے۔ اسے تو بعض اوقات لگتا کہ وہ صدیوں سے یہیں رہتی چلی آ رہی ہے۔ اس پرانے پارک میں بھی وہ کافی دفعہ آ چکی ہے۔ اور اس کا جنم حبیب اللہ روڈ پر ہی ہوا ہے۔ پہلے جنم کے ہونے پر اس کا ایمان نہیں تھا لیکن اگر ایسا ہوتا تو اسے سو فی صد یقین ہوتا کہ وہ اپنی پہلی زندگی یہیں کہیں گزار چکی ہے۔

یہاں کا سب کچھ کسی خواب کی طرح کا تھا۔ بچپن کے ان خوابوں کی طرح کا نہیں جنہیں دیکھ کر وہ ڈر جایا کرتی تھی۔ اور خوف کے مارے سدیم انکل کے پاس بھاگا کرتی تھی۔ یہاں کے خوابوں کی نوعیت کچھ اور تھی۔ اسے پتا ہوتا کہ برے خوابوں کو جگہوں سے نسبت ہوتی ہے تو وہ بہت پہلے ہی اپنے گھر سے کہیں دور جانے کا پروگرام بنا لیتی۔ وہ یہاں کی ایک ایک چیز سے بہت خوش تھی۔ کہیں خواب ٹوٹ نہ جائے۔ کہیں وہ نیند سے جاگ نہ جائے۔ وہ پھول جس کی نازک پنکھڑیاں ہاتھ لگانے سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ اسے اس پھول کو بہت احتیاط سے تھام کر رکھنا تھا۔ اس لیے وہ باسل کو ڈیڈ کا فیصلہ نہ بتا سکی کہ وہ زمل اور باسل کی شادی پر صرف اسی صورت راضی ہوں گے اگر باسل فرانس شفٹ ہو جانے کا فیصلہ کر لے۔ اسے خود اندازہ تھا کہ باسل نانو اور ریشار کو چھوڑ کر کبھی بھی فرانس شفٹ نہیں ہو گا۔ پھر وہ باسل سے ایسی بات کیونکر کر سکتی ہے۔ جس کا علم اسے پہلے سے ہی ہے۔ اور جسے ماننا باسل کے لیے ناممکن ہے۔

وہ اس سے محبت کرتا تھا اور یہ بات اس کا امتحان لینے کے مترادف تھی۔ ابھی زمل اپنی ذات میں اتنی مضبوط نہیں ہوئی تھی کہ وہ کسی کا امتحان لے سکے۔ وہ خود امتحانوں کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ اسے خود ابھی سہاروں کی تلاش تھی اور نجانے وہ کونسا لمحہ تھا؟ کس چیز کی کھوج لگاتے لگاتے وہ یہاں پاکستان آ گئی تھی؟ اسے اندازہ ہوتا کہ اس ملک کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ ہر نئے آنے والے کو جکڑ لیتی ہیں تو وہ کبھی بھی پاکستان آنے کا فیصلہ نہ کرتی۔

باسل نے ڈیڈ کا فیصلہ سنا اور اسے اپنا فیصلہ سنا دیا تو؟ بنا زمل کے جذبات کا خیال رکھے۔ اس نے صاف صاف انکار کر دیا تو....؟ پھر اس گھر میں رہنے کا بھی بھلا اس کے پاس کیا جواز باقی رہ جائے گا۔ وہ دل سے تو جائے گی ہی نانو ریشار اور اس گھر کی اپنائیت سے بھی دور ہو جائے گی۔

"اگر تم کبھی یہاں سے اس طرح جاؤ کہ واپس نہ آسکو تو سب سے زیادہ کس چیز کو مس کرو گی؟" باسل نے اسے مخاطب کیا۔

بارش متواتر برس رہی تھی۔ دونوں کے پاس درخت کے نیچے کھڑے رہ کر بارش کے تھم جانے کا انتظار کرتے رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ گھنے پرانے درخت کی کرم نوازی تھی کہ وہ سردی کی بارش سے محفوظ کھڑے تھے۔ قدرت بھی بعض اوقات عجیب طریقوں سے مہربان ہوتی ہے۔ وہ کھلے باغ میں تھے۔ پھر بھی درخت کے نیچے ایسے کھڑے

تھے جیسے کسی حصار میں قید ہوں۔ زمل نے دل ہی دل میں دعا کی کہ یہ حصار تاقیامت قائم رہے۔ وہ اس حصار میں اپنی پوری زندگی بتا سکتی تھی۔ بارش اوس کی مانند اسے چھو رہی تھی۔ معطر کر رہی تھی۔ ایسے میں باسل کی بات نے اسے یک دم جامد کر دیا۔

مجھے اس جگہ سے اس طرح دور جانا ہی کیوں پڑے کہ مجھے یہاں کی چیزوں کو یاد کرنا پڑے۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔

”کیا سوچ رہی ہو۔۔۔ کیا کسی بھی چیز کو مس نہیں کرو گی۔“

”کروں گی۔۔۔ بہت ساری چیزوں کو مس کروں گی۔“

”مثلاً“۔

”نانو۔۔۔ ان کی شاپ۔۔۔ وہ پرانا بازار۔“

”بس اتنا ہی۔۔۔؟“

”یشار بھائی۔۔۔ تمہارا گھر۔۔۔ سرخ اینٹوں کی وہ دیواریں۔۔۔ رنگین شیشوں والی کھڑکیاں۔۔۔ لکڑی کے پرانے دروازے۔۔۔ بہت کچھ اس کے علاوہ بھی ہے۔“ زمل نے کہا تو وہ اپنا سر کھجانے لگا۔

”تو پھر سب بتا دو۔۔۔ فری ہی تو ہیں ہم دونوں۔“

”یہ باغ‘ بارش‘ درخت۔۔۔“

”اور یہ وقت۔۔۔؟“ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس کے منہ سے اپنا نام سننا چاہ رہا تھا۔

”ہاں۔۔۔ یہ وقت بھی۔“

”کچھ رہ تو نہیں گیا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھنے لگا۔

”نہیں میرا خیال ہے۔ میں نے سب گنوا دیا ہے۔“ وہ دل ہی دل میں ہنسی۔

”یعنی میں کسی گنتی میں نہیں ہوں۔“ وہ بھی پھر براہ راست پوچھنے پر اتر آیا۔

”تم سانسوں میں ہو۔۔۔ اور سانسوں کو کون گنتا ہے۔۔۔ وہ تو بس ضروری ہوتی ہیں جینے کے لیے۔ ان کی اہمیت کے لیے یہ ہی کافی ہے۔ اور تمہاری اہمیت کے لیے بھی۔“ وہ سوچنے لگی لیکن کہہ نہ سکی۔

”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ سچ تم بھی۔۔۔ تمہیں کیسے بھول گئی میں۔۔۔ اچھے ہو یار تم بھی۔“ ایسے کہا گیا جیسے وہ بھی کوئی ”چیز“ تو ضرور ہی ہے جسے یاد کر لیا جائے۔

باسل نے مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

زمل قہقہہ لگا کر ہنسی۔

”تم اپنا نام سننا چاہتے تھے تو بتا دیتے۔۔۔ میں تمہارا نام لے لیتی۔“

”سننا تو میں اپنا ہی نام چاہتا تھا۔ لیکن جس طریقے سے مجھے بتایا گیا ہے‘ سوچتا ہوں یہ ذکر نہ ہی چھیڑتا تو اچھا تھا۔“ زمل اور زور زور سے ہنسنے لگی۔ باسل بھی مسکرانے لگا۔

”تم نے اپنے ڈیڈ سے بات کی تھی زمل؟“ اس نے پوچھا۔ زمل کی ہنسی تھم گئی۔

”کیا ہوا۔۔۔؟“ اس نے پوچھا۔ زمل نے تھوک نگلا۔ وہ باسل سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

”نہیں ابھی نہیں کی۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے غلط بیانی کی۔

”کیوں؟“ حیرت سے اس کی بھنویں ملیں۔ کیا اس کے لیے یہ سب اتنا ہی غیر سنجیدہ تھا۔ کیا یہ جذبے واقعی کوئی حقیقت نہیں رکھتے اس کے لیے۔

”میں فرانس جا کر بات کروں گی باسل۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“

”میں فیس ٹو فیس بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”اور اگر وہ نہ مانے تو۔۔۔ انہیں کوئی اعتراض ہوا تو۔“

”نہیں نہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“

”اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو۔“

”وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔۔۔ شاید وہ صرف یہ کہیں کہ۔۔۔“ وہ رک گئی۔ نہیں ابھی نہیں۔ اس نے سوچا اور وقت کی مہربانی کا انتظار کرنے لگی۔

”کیا زمل۔۔۔؟“

”کچھ نہیں باسل۔۔۔ چھوڑو ان باتوں کو۔۔۔ مستقبل کے اندیشے ہمارے حال کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔“

”اندیشے۔۔۔؟“ اس نے اجنبی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ اندیشہ کیا کم ہے کہ میں تمہارا ذاتی جواب تک نہیں جانتا۔" اس نے چوٹ کی۔

بارش تھم گئی تھی۔ رات میں ڈھلتا' آسمان نکھر کر چشمے کے پانی کی طرح صاف شفاف تھا۔ زمل سوچنے لگی۔ واقعی باسل اپنے شکوے میں درست ہے۔ ہر چیز سے قطع نظر وہ خود کیا سوچتی تھی وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا۔ یہ تو سراسر زیادتی تھی۔ نانو کے نواسے کے ساتھ ایسی زیادتی؟ نانو کہیں اسے ہی نہ تراش کر رکھ دیں.... وہ ہنسی۔

"ٹھیک ہے.... مسٹر باسل.... آپ کی بے چینی جلد ہی دور کر دی جائے گی۔" کھڑے کھڑے ہی جیسے اس نے فیصلہ کر لیا۔

"اور جواب 'سوال کرنے کے انداز سے بھی بڑھ کر انداز میں دیا جائے گا۔" اس نے مزید سوچا۔ نانو سے اس حوالے سے مدد لی جاسکتی تھی۔ اس کے ذہن میں خیال آیا۔ اور پھر اس نے خود ہی اس خیال کو جھٹک دیا۔ "نہیں نانو نہیں.... کوئی بھی نہیں۔ کسی کو اس بات کا رازدار نہیں بنانا مجھے اپنے آپ کو بھی نہیں....

دور اپنی آنکھوں کی طرح کے جگمگاتے جگنوؤں کو دیکھ کر وہ مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"لائیے نانو میں آپ کی مدد کر دیتی ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کر راک سالٹ کا وزنی پیپرنانو کے ہاتھوں سے لے لیا۔ جو نانو ایک ایک کر کے کارٹن میں بڑی احتیاط سے رکھ رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں زمل.... میں کر لوں گی۔"

"آپ کافی کر چکی ہیں.... اور کافی تھک بھی چکی ہیں۔"

"یہ تھکنا بھی مجھے اپنے کام کی طرح ہی عزیز ہے۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔ وہ تھک گئی تھیں۔ لیکن ہمیشہ کی طرح ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔

"پھر تھوڑا مجھے بھی تھک جانے دیں۔" زمل ان کے منع کرنے کے باوجود بھی ان کی مدد کرنے لگی۔

"تم میری عادتیں خراب کر رہی ہو زمل۔"

"وہ کیسے نانو....؟"

"یوں کہنا چاہیے کہ تم مجھے اپنی عادت ڈال رہی ہو۔ تم فرانس چلی جاؤ گی تو مجھے مشکل ہو گی۔" نانو نے کہا اور زمل اداس ہو گئی۔ دریائے سین کو دیکھنا اس کے لیے اتنا بھی ضروری نہیں تھا۔

"نانو۔" دوسرا آرائشی پیس کارٹن میں رکھتے ہوئے وہ بولی۔

"ہاں بولو زمل!" نانو نے کہا تو زمل جھجک کر خاموش رہی۔ "تم کچھ کہنا چاہتی ہو کیا؟"

"جی نانو.... وہ دراصل.... میرا پاکستان میں قیام طویل ہو گیا ہے اور اسی باعث اس گھر میں بھی...."

"تو پھر کیا ہوا میری جان۔"

"نہیں مجھے لگا کہ...."

"دوبارہ ایسی بات مت کرنا۔" نانو نے اسے ڈانٹا "تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتی ہو۔" اور زمل نے ایک گہرا اور ٹھنڈا سانس لیا۔

"ویسے تمہاری این جی او یہاں کیا کام کرتی ہے.... کیا ورک ہے ان کا اور تمہارا؟ نانو نے پوچھا اور کارٹن کو بند کرتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

"کچھ خاص نہیں نانو.... چند ایک سروے ہیں جو مختلف شہروں میں جا کر کیے جاتے ہیں مجھے بھی یہ ہی کام کرنا ہوتا ہے۔" اسے نانو جیسی ہستی سے جھوٹ بولنا اچھا نہ لگا۔

"اسی سروے کے لیے تم اکثر گھر سے باہر جاتی ہو۔"

"جی نانو۔" وہ حقیقت نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ کن پرانی ڈائریوں کے گم شدہ صفحے تلاش کرنے باہر جاتی ہے۔

نانو سر ہلا کر خاموش ہو گئیں۔ ویسے بھی یہ بات ان کی طبیعت میں شامل نہیں تھی کہ وہ زیادہ پوچھ گچھ کرتیں۔ جو تھا جیسا تھا۔ انہیں اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔

"آپ نے آج شاپ پر جانا ہے نانو؟" وہ پچھلے کافی

دنوں سے مختلف بہانوں سے ہر روز نانو سے پوچھا کرتی تھی کہ انہوں نے آج شاپ پر جانا ہے کہ نہیں اور آج صبح ناشتے کی ٹیبل پر نانو خود بتا چکی تھیں کہ انہوں نے آج شاپ پر نہیں جانا۔ اس کے باوجود زمل دوبارہ پوچھ کر اپنی "پکی" تسلی کر لینا چاہتی تھی۔

"نہیں۔۔۔ آج نہیں جانا میں نے۔۔۔ آج میری طبیعت اجازت نہیں دے رہی مجھے۔" نانو نے پھر سے اسے آگاہ کیا۔ کارٹن پر ٹیپ لگاتی زمل 'نانو کی بات پر مسکرانے لگی۔

"باسل ہی اس کارٹن کو دکان پر چھوڑ آئے گا۔" نانو اسے بتا رہی تھیں اور وہ جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔

"یعنی آج کا دن بہترین رہے گا۔۔۔ نگار خانے جانے کے لیے۔" اس نے خود سے کہا۔

"کہاں کھو گئی ہو زمل۔"

"نہیں۔۔۔ کہیں نہیں نانو!" وہ چونکی اور کارٹن کو ٹیپ سے کور کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ الماری کھول کر اس میں سے اس نے ایک ڈبہ نکالا اور اس کے اندر سے ایک آرائشی بوتل جو باسل نے اسے دی تھی۔

پارے سے چمکتے پانی میں کشتی تیر رہی تھی۔ ننھی سی کشتی اور یوں تیر رہی تھی جیسے بحر الکاہل میں تیر رہی ہو۔ زمل نے اس کے بادبان پر اپنی نظریں مرتسم کر دیں۔

"تمہیں اس کا جواب اس سے بھی بڑھ کر ملے گا مسٹر باسل۔" مسکراتے ہوئے وہ خود سے بولی۔ اس کا ارادہ پہلے یشار کے کلینک جانے کا تھا۔ پھر نگار خانہ جانے کا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے کہا تھا یہ اب تمہارا ہدف ہے زمل۔۔۔ اور اب مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ نے جو ہدف مجھے دیا تھا میں اس میں ناکام رہی ہوں۔" زمل نے دکھ سے اعتراف کیا۔

"میں اپنے دادا دادی کی قبروں کو نہیں ڈھونڈ سکی۔" وہ مزید دکھی ہوئی۔ ڈیڈ سے متعلق کوئی بھی گفتگو وہ یشار کے کلینک ہی آ کر کیا کرتی تھی۔ گھر میں نانو کی موجودگی اور کلینک میں باسل کی موجودگی میں وہ یا یشار خود بھی 'اس موضوع پر کوئی بات چیت نہیں کیا کرتے تھے۔

اسے پاکستان آئے کافی ہفتے گزر چکے تھے۔ وہ جہاں جہاں جا سکتی تھی جا چکی تھی۔ ڈیڈ کے جس بھی جاننے والے کا اسے پتا چلا تھا وہ اس سے مل چکی تھی۔ ان دنوں وہ امتحانات کی تیاری کے اس عرصے سے گزر رہی تھی جس میں طالب علم بڑے جی جان سے نوٹس بناتے ہیں۔ لیکن اس کے نوٹس جیسے رائیگاں گئے تھے۔ امتحانات دیے بنا ہی وہ فیل ہو گئی تھی۔ یشار کے بتائے حل تک اس کی رسائی جیسے ناممکن کر دی گئی تھی۔ کوئی دروازہ تھا جو اس پر بند کر دیا گیا تھا۔ یا کوئی دیوار جسے وہ توڑ نہیں سکتی تھی۔ ہر راستے پر ایک آئینہ نصب تھا۔ جہاں اسے اپنی ہی صورت نظر آتی اور وہ اپنی ہی صورت دیکھ کر نانو کے گھر واپس چلی آتی۔ نجانے اس میں قدرت کی کوئی مصلحت تھی یا کچھ اور۔ زمل بہت دل شکستہ تھی۔

یشار کو اپنی ناکامی کے بارے میں بتانا اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ جس مقصد کے لیے پاکستان آئی تھی وہ مقصد ادھورا رہ گیا تھا۔ بنیادی ہدف ہی ختم ہو گیا تھا۔ تو اب اس کے پاس پاکستان میں رہنے کا کیا جواز باقی رہ گیا تھا۔ اسی لیے یہ سوچ کر اس نے یشار کو ساری بات بتا دی تھی کہ شاید یشار پہلے ہی کی طرح اس بار بھی مزید کوئی بہتر فیصلہ کر سکے۔ وہ ڈیڈ سمیت زمل کی بھی ذہنی کیفیت سے آگاہ تھا۔ اور یقیناً کوئی بہتر راہ نکال سکتا تھا۔

"تمہاری کوششیں قابل ستائش ہیں زمل۔۔۔ یہ سب تمہارے لیے مشکل تھا۔" پوری بات سننے کے بعد یشار نے اسے سراہا۔۔۔ شاید یہ بھی اس کا کوئی طریقہ علاج تھا۔ وہ انسانی نفسیات کو اچھی طرح جانتا تھا۔ زمل مایوس ہو چکی تھی۔ ایسے میں یشار کی بھی مایوس کن گفتگو زمل کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

"تم نے ساری زندگی فرانس میں گزاری ہے۔۔۔ ایک نئی جگہ پر آکر گم گشتہ چیزوں کو تلاش کرنا واقعی مشکل ہے۔"

"یہ سب میں نے اپنے ڈیڈ کے لیے کیا ہے یشار بھائی۔۔۔ ان کی صحت کی بہتری کے لیے۔" زمل نے بتایا۔ یشار پیپرویٹ کو الٹ پلٹ کرنے لگا۔

"تو پھر تم ایک کام اور کر دیکھو۔"

"اب کیا یشار بھائی۔"

"انہیں پاکستان بلالو۔" یشار نے کہا اور زمل کی سانسوں کی آمدورفت تیز ہوگئی۔

"لیکن۔۔۔ لیکن کس لیے۔۔۔ ڈیڈ پاکستان آکر کیا کریں گے۔"

"انہیں ان کے پرانے گھر لے کر جاؤ۔۔۔ ان کے کالج یونیورسٹی۔۔۔ ان کی کمپنی۔۔۔ انہیں ان کے پرانے دوستوں سے ملواؤ۔۔۔ ماضی سے جڑی ہر چیز سے ان کا دوبارہ رابطہ کرواؤ۔"

"آپ ان چیزوں کو قبروں کا نعم البدل سمجھ رہے ہیں۔"

"بے شک۔۔۔ ماضی بھی تو ایک قبر ہی ہے۔"

"ڈیڈ نے کبھی پاکستان کو یاد نہیں کیا۔ نہ اپنے پرانے گھر کو۔۔۔ انہوں نے کبھی اپنی یونیورسٹی کا ذکر تک نہیں کیا۔"

"یعنی اگر وہ ذکر کرتے تب تمہارے لیے میری بات کوئی معنی رکھتی؟"

"نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔۔۔ معنی اب بھی رکھتی ہے۔۔۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ ڈیڈ پاکستان آنے کے خواہش مند ہوں گے۔"

"یہ خواہش بھی تمہیں ہی ان کے اندر جگانی ہے۔"

"اور اگر وہ تب بھی نہ مانے تو۔۔۔"

"فرض کرو تم اپنے دادا دادی کی قبروں کو تلاش کر چکی ہو۔۔۔ اس صورت میں تم نے انہیں پاکستان کیا کہہ کر بلانا تھا۔" یشار نے پوچھا زمل متذبذب ہوئی۔ حقیقتاً "اگر وہ ایسا کر لیتی یا ایسا ہو جاتا تو وہ ڈیڈ کو پاکستان کیا کہہ کر بلاتی۔ انہیں یہاں بلانے کے لیے اس نے کیا جواز سوچ رکھا تھا۔ کیا وہ ہر تیر ہوا میں چلانے والی تھی۔ اسے آخر کو اس رخ پر بھی تو سوچنا ہی تھا تو کیوں نہ اس پر ابھی سوچ لیا جائے۔

"ٹھیک ہے۔ میں گھر جا کر ان سے بات کرتی ہوں۔"

ایک عزم سے وہ وہاں سے اٹھی۔

یشار مسکرانے لگا۔ زیان عالم کے دماغ تک جانے والا واحد راستہ زمل ہی تھی اور اگر وہ ہی ناامید ہو جاتی تو زیان عالم کی بہتری کے زیادہ چانسز نہیں تھے۔ یشار خوش تھا۔ اس نے زمل کو بہت آسانی سے اپنی بات ماننے پر آمادہ کر لیا تھا۔ خود اعتمادی کے ساتھ۔

وہ ابھی آفس سے باہر نکلی ہی تھی جب سامنے سے کچھ فائلوں کو الٹ پلٹ کرتا تیزی سے آتا باسل اس سے ٹکرا گیا۔

"اوہ سوری۔۔۔" وہ بولا پھر چونکا۔ "زمل تم۔۔۔ تم یہاں؟"

"میں یشار بھائی سے ملنے آئی تھی۔"

"خیریت۔۔۔؟"

"ہاں کچھ بات چیت کرنی تھی۔"

"اب کہاں جا رہی ہو؟"

"اب میں گھر جا رہی ہوں۔"

"چلو پھر اکٹھے چلتے ہیں۔۔۔ میں بھی بس تھوڑی دیر میں گھر ہی جانے والا ہوں۔"

"نہیں۔۔۔ وہ دراصل۔" وہ بوکھلا گئی۔ اسے نگار خانہ جانا تھا۔ نانو اور باسل کی عدم موجودگی میں۔ وہاں کے ملازم کاریگر سے اسے کوئی خاص چیز تیار کروانی تھی اور وہ اپنے سرپرائز کو کسی قیمت پر آشکار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"دراصل مجھے کہیں اور جانا ہے۔"

"تو آؤ۔۔۔ میں تمہیں وہاں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

"نہیں میں چلی جاؤں گی۔ تم گھر جاؤ۔"

"یہ تم اتنا تکلف کب سے کرنے لگی ہو۔" وہ ہنسا۔

"میں نے کہا نا باسل تم جاؤ۔۔۔ مجھے جہاں جانا ہو گا

میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" اس نے تیز آواز سے کہا تو باسل خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے.... جیسے تمہاری مرضی۔" اس نے ہلکی سی خفگی سے کہا۔

زمل نے کوئی اثر نہیں لیا۔ جس کام کے لیے وہ بڑی رازداری سے وہاں جا رہی تھی۔ اس کی خبر جب باسل کو ہو گی تو اس کی ساری وقتی ناراضی ختم ہو جائے گی۔ خود سے کہتی وہ بلڈنگ کی لفٹ سے باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

انارکلی آتے آتے اسے رات ہو گئی تھی۔ نگار خانہ کے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے ڈر لگنے لگا کہ کہیں نانو اندر ہی موجود نہ ہوں۔ حالانکہ صبح دوسری مرتبہ کے پوچھنے پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ وہ آج شاپ پر نہیں جائیں گی۔ لیکن زمل سارا دن گھر سے باہر رہی تھی۔ اور نانو سے کچھ بھی بعید نہیں تھا کہ ان کی طبیعت شام کے وقت بہتر ہو جاتی تو وہ شام کے وقت ہی دکان پر آ جاتیں۔ لیکن خوش قسمتی سے آج ایسا نہیں ہوا تھا۔ نانو اندر نہیں تھیں۔ اس نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔

"کیسی ہیں آپ؟" کاریگر ملازم نے اس سے پوچھا۔ وہ اب ان کے لیے اجنبی نہیں رہی تھی۔ "بیگم صاحبہ نہیں آئیں آج.... خیریت۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں.... نانو اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں آسکیں.... لیکن کل ضرور آ جائیں گی.... ان شاء اللہ۔" اس نے کاریگر ملازم کو بتایا۔

نانو کی طرح اب اس نے بھی بات بات پر ان شاء اللہ کہنا سیکھ لیا تھا۔ کاریگر ملازم خاموش ہو گیا اور زمل چاروں طرف سجی چیزوں پر اپنی نظریں دوڑانے لگی۔

"کچھ چاہیے آپ کو؟" اس نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں.... چاہیے تو سہی...."

"کیا چاہیے آپ کو.... مجھے بتائیں۔"

"کچھ بہت خاص۔"

"یہاں کی ہر چیز خاص ہے۔" وہ فخر سے بولا۔

"کسی خاص کے لیے۔" اس نے خود سے کہا اور مسکرانے لگی۔ ملازم نے اسے اس طرح بلاوجہ ہی مسکراتے ہوئے دیکھ کر عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ زمل جھینپ کر سنجیدہ ہو گئی۔

"مجھے کسی چیز پر انگلش کے تین حرف لکھوانے ہیں۔"

"کون سے حرف؟"

"وائے۔ ای۔ ایس (Yes)۔" وہ پھر سے مسکرائی۔ ہوا کے کسی جھونکے نے اس کی نظروں کے سامنے بادبان کو لہرایا تھا۔ وہ اس بادبان کے سنگ پوری دنیا جیت سکتی تھی۔

"ول یو میری می۔" سنہری دھاگے سے لکھی گئی تحریر اس کے ذہن کے پردے پر چھا گئی۔ اس نے اپنے دوست سین سے پوچھا تھا کہ وہ اس کا کیا جواب دے اور سین نے اسے بتا دیا تھا۔ اس سوال کا جواب صرف یس کی صورت ہی دیا جا سکتا تھا۔ کون بدقسمت لڑکی ہو گی جو باسل جیسے لڑکے کو نو کہے گی۔ اس نے اپنی زندگی میں بہت سی بدنصیبیاں اکٹھی کر لی تھیں۔ یا وہ خود بخود اس کی زندگی میں آ گئی تھیں۔ اب وہ خوش قسمتی کے اس موقعے کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ ڈیڈ کو منا لے گی۔ باسل کو راضی کرے گی وہ کچھ بھی کرے گی لیکن....

"کس چیز پر لکھوانا ہے آپ کو...." کاریگر دوسری بار پوچھ رہا تھا۔

"کسی خوب صورت اور نایاب سی چیز پر۔"

"یہ ترکی تلوار کیسی رہے گی۔" کاریگر نے مشورہ دیا۔

"اوہ نو نو۔" اس نے اپنے قہقہے کو بمشکل دبایا۔ تلوار میں رومانیت کا عنصر بھلا کیونکر پیدا کیا جا سکتا ہے۔

"تو پھر یہ...." اب کی بار اس نے شیشم کی صراحی کی طرف اشارہ کیا۔ جس کے گول مٹکے پر نفیس نقش و

نگاری کی گئی تھی۔
"نہیں یہ بھی نہیں۔" راک سالٹ، شیشے جڑے گلدان۔ مور پنکھ کے آرائشی پیس' ایک ایک کر کے وہ ہر چیز رد کرتی رہی۔
"کیا باسل نے بھی اس کشتی اور بوتل کا انتخاب اتنی ہی دیر لگا کر کیا ہو گا۔" اس نے سوچا۔ وہ مایوس ہونے لگی تھی۔ اسے تو کوئی چیز پسند ہی نہیں آ رہی تھی۔ کاریگر بھی دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اپنی ذہنی الجھن کو لیے وہ وہاں اکیلی ہی کھڑی تھی۔ دکان کے بند ہونے کا وقت بھی قریب آ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر ایک چیز پر پڑی اور اس کا چہرہ دمک اٹھا۔
"یہ.... ہاں بس یہ ہی چیز چاہیے مجھے۔" اس نے کاریگر کو بلایا اور مرمر کی شطرنج کی طرف اشارہ کیا۔
"بالآخر فیصلہ ہو گیا۔" وہ بھی ہنسنے لگا۔
"کچھ خاص جو لینا تھا مجھے۔"
"یہ ٹھیک ہے...." اس نے تائید کی۔
"پتھر کے ٹکڑوں سے اس کے اندر لکھوا سکتے ہیں آپ؟" "یس؟"
"آسانی سے آپ بے فکر رہیں.... ہو جائے گا.... آپ بیگم صاحبہ کی خاص مہمان جو ہیں۔" وہ اتنی آسانی سے معاملہ حل ہو جانے (جسے وہ بہت پیچیدہ سمجھ رہی تھی) اور اپنی اتنی عزت افزائی پر نہال ہو گئی۔
"کس پتھر کا استعمال کرواؤں؟" کاریگر پوچھ رہا تھا۔ زمل نے کندھے اچکا کر اپنی کم علمی ظاہر کر دی۔
"سلیمانی زرد کیسا رہے گا؟ تقدس کی علامت ہے۔ اور سنگ سرخ محبت کی۔"
محبت کی.... محبت کی.... بازگشت ہوتی ہوتی دریائے سین تک جا پہنچی اور اس کی لہروں کو زمل نے اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس کیا۔
"سلیمانی زرد کی بساط کے اندر آپ سنگ سرخ سے لکھوا دیں۔"
تقدس اور محبت.... ہاں یہ کمبی نیشن ٹھیک تھا۔
"جیسے آپ کہیں.... پر ایسی شطرنج پھر کبھی کھیلی نہیں جائے گی۔ اس پر کبھی کوئی بازی نہیں لڑی جا سکے گی۔"
"ایسی شطرنج صرف محبت کرنے والوں کے لیے ہو گی.... اور اس پر کون سی بازی لڑی جاتی ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہوں گے۔" اس نے مسکرا کر سوچا اور دکان سے باہر نکل آئی۔
"زمل...." ابھی وہ تھوڑی دور ہی چلی تھی کہ اسے اپنے پیچھے سے ایک بے یقین سی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ پیچھے باسل کھڑا تھا۔ زمل کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ باسل بھی اسے وہاں دیکھ کر حیران تھا۔
"تم یہاں کیا کر رہی ہو زمل.... تم تو کہہ رہی تھیں کہ تم نے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔" وہ پوچھ رہا تھا اور شکوہ آمیز لہجے سے پوچھ رہا تھا۔
"وہ.... میں.... مجھے جہاں جانا تھا میں وہاں سے ہو آئی ہوں۔" جھوٹ۔
"پھر یہاں کیا کر رہی ہو؟"
"یہاں سے گزر رہی تھی تو سوچا' نانو کو بھی ساتھ لے چلوں۔" جھوٹ در جھوٹ۔
"نانو نے آج شاپ پر نہیں آنا تھا۔ یہ بات وہ صبح بتا تو چکی تھیں۔"
"ہاں.... پر پتا نہیں میں یہ بات کیسے بھول گئی۔"
"تم کچھ چھپا رہی ہو؟" وہ بھنویں جوڑے' آنکھیں نیچے کیے شک کی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔
"نہیں.... ایسی تو کوئی بات نہیں.... تم نے یہ بات کیوں سوچی۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔
"صبح سے ہی عجیب لگ رہی ہو۔"
زمل کی آنکھوں میں خفگی بھر گئی۔ "کیا مطلب ہے تمہارا باسل؟"
"خیر بتاؤ' اب کہاں جا رہی ہو۔ رات کافی ہو چکی ہے۔"
"اب میں گھر جا رہی ہوں۔"
"دوبارہ سوچ لو.... گھر ہی جا رہی ہو نا۔"
"کہنا کیا چاہتے ہو تم۔" وہ کسی قدر غصے سے بولی۔

"میں یہ کارٹن اندر رکھوا دوں.... پھر اکٹھے چلتے ہیں.... یا نہیں.... اور اگر تم الگ سے ٹیکسی میں جانا چاہتی ہو تو وہ بھی بتا دو۔"

"تب واقعی مجھے کہیں اور جانا تھا یار.... چھوڑ دو اس بات کو اب۔" زمل نے کہا تو وہ ہنسنے لگا۔

کارٹن اندر رکھوا کر وہ پارکنگ ایریا تک پیدل جانے لگے۔ بازار بند ہو رہا تھا۔ رات چھا رہی تھی اور جاتی سردیوں کی خنکی رات میں بڑھنے لگی تھی۔ زمل نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے وجود کے گرد لپیٹ لیے۔ آج کے ٹاسک کو تکمیل تک پہنچانے کی خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ اپنی ہی ترنگ میں آگے بڑھ رہی تھی۔ باسل خاموشی سے واک کرتا ہوا اس سے قدرے پیچھے ہو گیا۔ وہ زمل کو ان نظروں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جن سے ٹھیک تین ماہ پہلے نانو نے اس کو دیکھا تھا۔

زمل کے قدم چھوڑی جگہ پر پھول اگ رہے تھے؟

نہیں۔

ہواؤں کی ڈوریں اس کی انگلیوں میں پیوستہ تھیں؟

نہیں۔

کیا اس پر محبت کا موسم آگیا تھا؟ پتا نہیں۔

یا وہ نانو جیسی بصارت ہی نہیں رکھتا تھا؟ یقیناً "ہاں"۔

✡ ✡ ✡

"زیان.... زیان عالم کی ہی بات کر رہی ہو نا تم۔" بوڑھے پروفیسر نے اس سے پوچھا۔

"جی.... زیان عالم کی.... یہ تقریباً" تیس سال پہلے کی بات ہے۔" زمل نے بتایا۔

آج وہ ڈیڈ کی یونیورسٹی آئی تھی۔ یشار نے اب اسے جس راہ کی طرف پھر سے گامزن کر دیا تھا وہ اس راہ گزر پر چلنے لگی تھی۔ یہ راہ گزر کس قدر خاردار تھی۔ زمل کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے اسے ڈیڈ کی یونیورسٹی کا پتا چلا۔ اور اس سے بھی زیادہ مشکل سے اسے کوئی ایسا شخص ملا جو نہ صرف اس میں موجود تھا بلکہ وہ ڈیڈ کو یاد بھی رکھے ہوئے تھا۔

یشار سے ملاقات کے بعد ویسے بھی زمل کے اہداف میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ صرف ڈیڈ کو پاکستان بلانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ بلکہ ڈیڈ کے ہر جاننے والے کو ان کے گرد ' ان کے لیے اکٹھا کر لینا چاہتی تھی۔ وہ اپنے ڈیڈ کی زندگی میں دنیا کی ہر خوشی بھر دینا چاہتی تھی۔

"زیان نے یونین الیکشن میں حصہ لیا تھا۔ مجھے وہ الیکشن آج بھی یاد ہیں۔"

"کیا ڈیڈ کبھی زندگی سے اتنے بھرپور بھی رہے تھے۔" پروفیسر کی بات سن کر زمل حیران رہ گئی تھی۔ اس نے کسی قدر تاسف سے سوچا تھا۔

"ان الیکشن کو کون بھول سکتا ہے۔ ایک جوان جہان مرد کو نگل گیا تھا وہ الیکشن۔" پروفیسر نے خود کلامی کی۔

"تو کیا ڈیڈ الیکشن جیت گئے تھے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ڈیڈ کی زندگی کے خوب صورت ماہ و سال کو سننا اسے بڑا اچھا لگ رہا تھا۔

"نہیں.... وہ الیکشن زیان کا مخالف مصباح نامی ایک لڑکے نے جیتا تھا اور...." پروفیسر خاموش ہو گیا۔

زمل مزید سننے کی منتظر رہی۔

"اور وہ اسی رات قتل ہو گیا تھا۔" پروفیسر نے انکشاف کیا۔

"کیا؟" سنگی بینچ زمل کے وجود کے نیچے تھرتھرانے لگا۔

"قتل....؟ لیکن کیوں.... کس نے کیا اس کا قتل؟" وہ گھبرائی آواز میں پوچھنے لگی۔ نجانے کیوں اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ اس قاتل کو جانتی ہے۔ اس کا اندیشہ غلط نہیں تھا۔ پروفیسر نے چشمے کے پیچھے سے اسے دیکھا۔

"پلیز بتایئے نا...."

"وہ قتل زیان کے دوست نے کیا تھا.... یشب نام تھا اس کا۔" پروفیسر نے اس کی معصوم آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر کہا۔

"یشب....!" وہ چیخ مارتے مارتے رہ گئی۔ آنکھیں پھٹنے کو آگئیں۔

"ہاں.... یشب.... لیکن اسے سزا نہیں مل سکی تھی۔ وہ فرانس بھاگ گیا تھا۔" پروفیسر نے افسردگی سے کہا۔ اور آسمان سے شہاب ثاقب ٹوٹ ٹوٹ کر اس پر گرنے لگے۔

"یشب انکل قاتل ہیں...." وہ بڑبڑائی۔ اس بات پر یقین نہ کرنے کی اسے کوئی وجہ نہیں مل سکی تھی۔ پروفیسر اسے اور بھی بہت کچھ بتا رہا تھا اور وہ جیسے کچھ بھی نہیں سن رہی تھی۔

"میرے ڈیڈ کا دوست ایک قاتل ہے.... یشب انکل قاتل ہیں.... میرا سوتیلا باپ قاتل ہے۔" یونیورسٹی کے سارے درخت اس کی نظروں کے سامنے چکر لگانے لگے۔ پھر اس کے وجود کے گرد.... وہ ان کے دائرے میں قید ہو گئی۔

"اور ڈیڈ.... انہیں اندازہ تک نہیں ہو گا کہ انہوں نے کس گناہ گار کو اپنے گھر میں جگہ دے رکھی ہے۔" ایسی بھیانک لاعلمی پر اس کے آنسو نکل آئے۔

"جو شخص کسی کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتا.... پھر ڈیڈ جیسے.... مخلص دوست کو دھوکا دینا اس کے لیے کیا مشکل رہا ہو گا۔" افسردگی کے عالم میں وہ گھر واپس آئی۔

اسے دکھ تھا۔ سب نے مل کر اس کے ڈیڈ کی زندگی میں زہر گھولا تھا۔ جواب تھوڑا تھوڑا کر کے اسے بھی پینا پڑ رہا تھا۔ کئی دن اس کی حالت عجیب سی رہی۔ باسل نے اس سے وجہ پوچھی لیکن وہ سر درد کا بہانہ کر کے ٹالتی رہی۔ وہ اس کے لیے فکر مند تھا۔ زمل جانتی تھی۔ ایسے دشوار گزار راستوں پر ایک وہ ہی اس کے لیے ابر رحمت بنا رہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"نانو...." اس نے ایک ہلکی سی چیخ مار کر نانو کو پکارا۔ نانو نے آگے سے کوئی جواب نہیں دیا۔

"نانو...." اس نے دوبارہ چلا کر کہا۔ نانو نے سنا نہیں تھا یا خوشی کے مارے اس کی آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ اس کی آج کے دن کی ایک گھنٹے کی کوششیں رنگ لے آئی تھیں۔ "روٹی" قدرے گول بن گئی تھی۔

"تم نے مجھے کیمچی (Cimchi) بنانی سکھائی ہے۔ میں تمہیں روٹی بنانا سکھاتی ہوں۔ اپنے ڈیڈ کو بنا کر دینا۔ انہیں بہت پسند آئے گی۔"

"لیکن ہمارے گھر میں تو میڈ بہت اچھی روٹی بنا لیتی ہے۔"

"تم اپنے ہاتھوں سے انہیں بنا کر کھلانا.... یہ انہیں سب سے زیادہ اچھی لگے گی۔" نانو نے مسکرا کر کہا۔ وہ سمجھ گئی۔

"ٹھیک ہے نانو۔" اس نے آمادگی ظاہر کر دی۔ ابتدائی کوششیں تو ناکام رہی تھیں مگر آج پانچویں دن اسے کہیں جا کر کامیابی ملی تھی۔ دونوں ہاتھ خشک و تر آٹے سے لتھڑے۔ چہرے اور بالوں پر بھی لگا خشک آٹا اور اس کی بری حالت۔ لیکن اسے ان سب کی پروا نہیں تھی۔ روٹی معیار کے قریب قریب پہنچ چکی تھی۔ اس لیے اس نے چیخ ماری تھی۔ برتنوں کے کھانے کی میز سے کھنکنے کی آواز آئی تو وہ روٹی ہاتھ میں ہی پکڑ کر باہر نکل آئی۔

"یہ دیکھیے نانو.... اور شاباش دیں مجھے...." اس نے چہرے کے آگے سے روٹی ہٹائی۔

نانو وہاں موجود نہیں تھیں اور کرسی پر باسل بیٹھا ہوا تھا۔ جو پہلے تو اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہنسی کا ایک فوارہ اس کے لبوں سے پھوٹا۔ زمل شرمندہ سی ہو گئی ایک تو وہ وہاں باسل کے موجود ہونے کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ دوسرا باسل کا ہنسنا۔ تب ہی نانو بھی باہر نکلیں۔

"کیا ہوا زمل.... تم بلا رہی تھیں مجھے...." انہوں نے حیرانی سے ساری صورت حال کو دیکھا۔ زمل خاموش تھی اور باسل بری طرح ہنس رہا تھا۔

"وہ.... روٹی.... گول بن گئی۔" چاہ کر بھی لہجے سے پرانی والی خوشی نہ جھلک سکی۔ وہ نظریں نیچے کیے نانو

سے بولی۔ نانو سب سمجھ کر دبی دبی ہنسی ہنسنے لگیں۔
"ہاں ٹھیک شاباش۔ بہت خوب زمل۔" انہوں نے اس کی تعریف کی۔
"نانو بہت زیادہ کام کرلیا ہے آج اس نے.... ہاتھ پاؤں دبائیں اس کے کہیں یہ بیمار نہ ہو جائے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔
"چپ ہو جاؤ باسل.... زمل کو تنگ مت کرو.... اگر یہ ناراض ہوگئی تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔" نانو نے باسل کو ڈانٹا۔
"تنگ کب کر رہا ہوں.... صحیح ہی تو کہہ رہا ہوں۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں اس کے ماتھے پر.... کچن میں جا کر کہیں اسے بخار ہی نہ چڑھ گیا ہو۔"
"ادھر آؤ.... بیٹھو تم ادھر زمل.... بولنے دو اسے.... میں کھانا لگاتی ہوں۔" نانو کچن کی طرف جانے لگیں۔
"یہ ڈبا کاریگر انکل نے بھیجا ہے تمہارے لیے زمل۔" باسل نے ایک ڈبا زمل کی طرف بڑھایا۔ نانو بھی جاتے جاتے رک گئیں۔ زمل کے چھکے چھوٹ گئے۔ وہ اتنی فاش غلطی کیسے کر سکتی ہے۔ وہ آخر کاریگر کو یہ کہنا کیسے بھول گئی کہ انہوں نے اس شطرنج اور اس کی عبارت کو صیغہ راز میں رکھنا ہے۔
"تم نے اسے کھول کر تو نہیں دیکھا۔" اس نے جیسے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"نہیں کیا ہے اس میں؟"
"کچھ بھی نہیں....." وہ نظریں چرانے لگی۔
"اس میں شطرنج ہے۔" نانو نے بتایا۔
"آپ کو کیسے پتا چلا نانو....." تو کیا نانو وہ دیکھ چکی تھیں۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ نانو مسکرانے لگیں۔
"مجھے دس سال ہو گئے ہیں زمل اپنی دکان چلاتے اور بائیس سال یہ کام کرتے.... میں پیکنگ دیکھ کر ہی بتا سکتی ہوں کہ اس کے اندر کیا ہے۔"
"جی نانو.... اس کے اندر شطرنج ہی ہے۔" اسے یک گونہ اطمینان ہوا۔
"کس کے لیے لی ہے.... اپنے ڈیڈ کے لیے۔" باسل نے پوچھا۔
"ہاں....." اس نے جھوٹ بولا۔
"مجھ سے کہہ دیتیں.... میں تمہیں کوئی خوب صورت سی شطرنج بنوا دیتی۔ نیلے جیڈ کی یا کاہی اور زرد کی۔" نانو نے اسے مشورہ دیا۔
"یہ بھی خوب صورت ہی ہے نانو....." اس نے ہلکے سے کہا۔
"دکھاؤ.... کون سی والی پسند کی ہے تم نے.... دکان میں تو بس دو طرح کی ہی پڑی ہوئی ہیں۔" نانو نے اسے شطرنج دکھانے کو کہا۔ زمل نے سہم کر ڈبا سینے سے لگا لیا۔
"دکھاؤ زمل.... اس طرح چھپا کیوں رہی ہو۔" باسل نے بھی بھنویں جوڑتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ باری باری دونوں کو دیکھنے لگی۔ ہائے اللہ.... کہاں چھپے وہ خود.... اور کہاں چھپائے وہ اسے۔
"زمل....؟" جب اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ اندر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔
"اسے کیا ہوا؟" باسل نے نانو سے پوچھا کہ اگر وہ کچھ سمجھ گئی ہوں تو اسے بھی بتا دیں۔ نانو ہنسنے لگیں۔
"اب آپ کو کیا ہوا؟" وہ حیرت سے اب نانو کو دیکھنے لگا۔
"کچھ نہیں.... تم نہیں سمجھو گے۔" ہنستے ہنستے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
"واقعی.... میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا....." وہ نادانی سے بولا۔
"میں کھانا لاتی ہوں۔" وہ کچن میں چلی گئیں۔ جہاں زمل نے ہر چیز الٹ پلٹ کی ہوئی تھی۔
"نادان لڑکی.... میری ہی دکان کے کاریگروں سے شطرنج بنوا رہی ہے.... اور سمجھ رہی ہے کہ میں ہی بے خبر رہوں گی۔" ان کی ہنسی تھمنے میں نہیں آرہی تھی۔

☆ ☆ ☆

قطرہ قطرہ بارش کا پانی تراشیدہ ہیرے کی مانند تالاب میں جمع ہو رہا تھا۔ عمر رسیدہ برگد اپنا پرانا رنگ و

روپ بدل چکا تھا۔ گرد آلود پتے نکھر چکے تھے۔ بل زدہ جٹائیں نم تھیں اور پرانی گوگلیں یک یک کر پھٹ رہی تھیں۔ جن کے اندر کا مادہ شنگرفی تھا۔ قوسی سلاخ دار کھڑکی کے چوبی نقش و نگار پر ہاتھ پھیرتی بوڑھی کے ہاتھ کپکپا کر رک گئے۔ اسے شنگرفی رنگ سے نفرت تھی۔ اس کے چہرے کے خدوخال بگڑنے لگے۔ مزید گوگلیں پھٹیں اور شنگرفی مادہ چار سو پھیل گیا۔

تالاب کا گہرا سبز پانی لحہ بہ لحہ شنگرفی رنگ میں ڈھلنے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا پانی شنگرفی ہو گیا۔ برگد، جڑیں، جٹائیں ہر طرف شنگرف کے پھول کھلنے لگے۔ بوڑھے وجود کی آنکھیں پھٹنے کو آگئیں۔ اس کا مسام مسام خوف زدہ ہو گیا۔ کپکپاتی آواز میں وہ بمشکل بول سکی۔

"اوہ سنیاسی.... محمد خدا یار سے پوچھو.... پکے رنگوں کی ہولی کے داغوں کو کس جل سے دھونا ہے.... یہ کیوں نہ بتایا اس نے...."

کچے شنگرفوں کی لہر پھیلتے پھیلتے آسمان کی پہلی تہہ کو چھونے لگی۔

☼ ☼ ☼

ہوا کی طرح وہ بھی بے سمت، بے منزل چلے جا رہی تھی۔ ڈھلوانی پگڈنڈی پر پھسلتی.... اپنے مقام سے گرتی.... ایک گری ہوئی عورت کی طرح.... اس کا پورا وجود تاپ کی لپیٹوں کی زد میں تھا۔ اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ وہ چلنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ گرنا چاہتی تھی۔ زمین کی کسی گپھا میں.... جہاں روز قیامت بھی اسے نہ اٹھایا جائے۔ بھلا دیا جائے۔ نفسا نفسی کے اس عالم میں بھی وہ لوگوں کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت نہ رکھتی تھی۔

اپنے جسم کے اندر قید.... روح کے گھائل ہو جانے کا احساس اذیت ناک تھا۔ اس کے آنسو تھمنے نہیں آ رہے تھے۔ ہتھیلیوں سے اس نے اپنی بھیگی آنکھیں خشک کیں۔ ہونٹ بھینچ کر اندر کے غم کو سہا۔ یہ کچھ ایسا بھی آسان نہیں تھا۔ موت کے وقت کیسی تکلیف ہوتی ہے، وہ اب اس درد سے انجان نہیں رہی تھی۔ اردگرد کے درختوں، پتوں، خشک ٹہنیوں، موٹی شاخوں نے بھی اس لٹی ہوئی لڑکی کو دیکھا اور خود کو اس کا مجرم سمجھ کر منہ جھکا لیا۔

ایک ہفتہ پہلے.... ٹھیک ایک ہفتہ پہلے وہ یہاں آئی تھی.... خوش و خرم.... نئی زندگی سے بھرپور.... ایک جذبے کے اظہار کی تمنائی۔ اور آنے والے اندیشوں سے بے خبر....

اور اب....

وہ یہاں سے جا رہی تھی.... ایک ہفتے بعد.... اپنی خوشیوں اپنی جرات مندی کو تار تار کروا کر.... مکڑی کے جالے کی طرح.... آنے والی زندگی کے لیے اب اس کے پاس کوئی بھی خوش کن اثاثہ نہیں رہا تھا۔ اس کا سب کچھ لوٹ لیا گیا تھا۔

لال کانچ ہوا آسمان پھٹ کر پھر سے تاریک تھا۔ نظام شمسی کے ظہور سے پہلے جیسا تاریک.... ہفتے بھر سے ہوتی بارش بالآخر تھم چکی تھی۔ بارش نے اپنے رک جانے کا یہ وقت قدرت سے جیسے اس کے سفر کے لیے مستعار لیا تھا۔ اور یہ قرض اسے اب سود سمیت چکانا تھا۔ ہوائیں پر شدت نہ رہی تھیں۔ شاید یہ موسم بھی اس کے ساتھ ساتھ سات دن تک کسی بات کا سوگ منا تا رہا تھا۔ یہ موسم جیسے اسے دیکھتا رہا تھا.... چوری چوری.... اس کی حالت پر کڑھتا رہا تھا اور.... اب جب کہ وہ اس ریسٹ ہاؤس سے بہت دور نکل آئی تھی تو یک لخت موسم بھی اس کے لیے بیگانہ ہو گیا تھا کہ کہیں وہ اپنی بربادیوں کا حساب اسی سے نہ مانگ لے۔ وہ تنہا تھی.... شام کے رنگوں میں ڈوبتے اور لحہ بہ لحہ تاریک ہوتے جنگل میں.... صحرا میں بھٹکتی کسی کونج کی طرح تنہا....

چہرہ اوپر اٹھا کر اس نے ساکت آسمان کو دیکھا.... اور آسمان کے پار والے کو دیکھنے کی کوشش کی.... اور یاد کیا۔ اس نے زندگی میں کب کسی کا برا چاہا تھا۔ کیا اس نے کبھی زندگی میں کسی کے ساتھ ایسی زیادتی کی تھی کہ جس کا ازالہ ناممکن تھا۔ یا اسے کسی فقیر درویش کی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بد دعا لگ گئی تھی۔ جسے اس نے کبھی نادانی میں تنگ کیا ہو گا۔ یا اس کا کوئی گناہ اس کے سامنے آگیا تھا اس طرح کہ اب وہ خود پوری کی پوری گناہ آلود ہو چکی تھی۔

چلتے چلتے وہ رکی۔ دونوں پاؤں پھوڑوں کی مانند دکھ رہے تھے۔ وہ نجانے کتنا سفر کر چکی تھی اور کتنا ابھی باقی تھا۔ اس کے سامنے ایک خستہ حال سی مسجد تھی۔ جس نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا۔ مسجد جو کم سے کم رقبے پر تعمیر کی گئی تھی' سالوں سے نمازیوں سے فریاد کرتی محسوس ہوتی تھی۔ وہ خود بھی تو فریادی تھی۔ دو فریادی ایک دوجے کے آمنے سامنے تھے۔

کیا وہ مسجد کے اندر جانے کے قابل تھی۔ اس نے سوچا... ہاں وہ اس مسجد کے مالک سے مخاطب ہونے کے قابل تو ضرور تھی۔ ساتھ لگے نلکے کے رس رس کر آتے پانی... اور اپنے آنسوؤں کے ساتھ اس نے وضو کیا۔ اور جوتے اتار کر مسجد کے اندر داخل ہو گئی۔ امام کی جگہ کے دائیں بائیں دونوں طرف آیات مبارکہ کے پرانے کلینڈر جھول رہے تھے۔ اس نے ارد گرد کچھ تلاش کیا اور پھر وہ اسے مل گیا۔ طاقچے میں رکھے دو قرآن مجید' اس نے ایک کو ہاتھ بڑھا کر اٹھانا چاہا اور جوں ہی اس کی انگلیوں نے سبز غلاف کو چھوا کہ ایک جھرجھری سی آگئی۔ وہ ساری کی ساری کانپنے لگی۔ پورا وجود ٹوٹ کر جیسے دوبارہ جڑا۔ یہ کتاب آج اس قدر وزنی کیوں ہو گئی تھی کہ اس سے اٹھائی ہی نہیں جا رہی تھی۔

اندھیرے میں گم ہوتے ارض و سماں میں وہ قرآن سینے سے لگائے مسجد سے باہر نکل آئی۔ بجلی نے ہلکی سی چنگاری چھوڑی۔ جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ روشنی پھیلی اور اندھی ہو گئی۔ پھوار موٹے موٹے کنکروں جیسے قطروں میں ڈھلتی گئی۔ خود پر اس کی گرفت مضبوط نہ رہ سکی اور وہ زمین پر ڈھے گئی۔ قطرہ قطرہ بارش کا پانی تراشیدہ ہیرے کی مانند اس کے جسم سے مس ہو کر نیچے بہنے لگا۔ اور پیال سے اٹی زمین پر شنگرفی پھول اگنے لگے۔ وہ کس کس چیز کا ماتم کرتی۔

اس نے قرآن کو سینے میں بھینچ لیا اور دور افق پار دیکھتے ہوئے حلق پھاڑ کر چلائی۔

"یا رحمٰن... یا رحیم... یا باری... یا ہادی... اب عادل بھی تو نے ہی بننا ہے۔"

آواز بازگشت کرتی بہت دور نکل گئی۔ اس کے چاروں طرف بجلی کڑکی۔ بارش نے ایک طوفانی جھٹکا زمین کی طرف اچھالا... اس کی عرضی سن لی گئی تھی۔ قرآن اسی طرح سینے سے لگائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور ہر سو خاموشی چھا گئی... کائنات بننے سے پہلے کی خاموشی۔

☼ ☼ ☼

گلناب عالم لاؤنج میں بیٹھیں فیشن میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھیں جب خاموشی میں انہیں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ نظریں ہٹا کر انہوں نے دیکھا۔ سامنے زیان کھڑا تھا۔ اپنی جیکٹ کو اپنے کندھے کے پیچھے لٹکائے... تھکا ہارا سا... جیسے بہت دور سے پیدل چل کر آ رہا ہو۔

"آ گئے زیان..." انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔ سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھایا۔ زیان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آہستگی سے اوپر اپنے کمرے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ گلناب عالم نے حیرت سے اسے دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد چنگیزی وہاں آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا۔

"نگار اندر نہیں آئی ابھی تک... کہاں ہے؟"

"نگار صاحبہ تو زیان صاحب کے ساتھ نہیں آئیں۔" چنگیزی نے بتایا۔

"اچھا...؟" نہ سمجھتے ہوئے انہوں نے خود سے کہا اور میگزین ایک طرف رکھ کر وہ اوپر زیان کے کمرے میں آئیں۔ مکمل اندھیرا کیے وہ راکنگ چیئر پر جھول رہا تھا۔

"زیان..." انہوں نے پکارا اور لائٹ آن کر دی۔ راکنگ چیئر جھولتے جھولتے رکی۔

"نگار اپنی والدہ کی طرف ہی اتر گئی تھی کیا؟"

انہوں نے پوچھا۔ زیان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"زیان... نگار کہاں ہے؟" وہ قریب آئیں۔

"نگار کہاں ہے...؟" وہ آنکھیں پتھر کیے گویا ہوا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا...؟" وہ حیران ہوئیں... "نگار کہاں ہے یہ تمہیں کیوں نہیں پتا۔" انہوں نے قدرے تیز آواز سے پوچھا۔ زیان خاموشی سے سامنے دیوار کو تکتا رہا۔

"زیان... میری جان... ہوا کیا ہے... کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"وہ چلی گئی... مجھے چھوڑ کر... وہ چلی گئی۔"

"چلی گئی کون چلی گئی۔" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"نگار... نگار چلی گئی۔"

"نگار...!! نگار کہاں چلی گئی؟"

"مجھے نہیں پتا... میں سو رہا تھا۔ جب میں سو کر اٹھا تو وہ وہاں نہیں تھی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا زیان... کیا کہہ رہے ہو تم؟" وہ چلائیں۔

"میں نے اسے بہت تلاش کیا... بہت زیادہ... لیکن مجھے وہ کہیں نہیں ملی۔"

"لیکن وہ گئی کیوں۔ کیا تم دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

"اس نے کہا وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ اور میرے ساتھ کسی صورت نہیں رہنا چاہتی۔" زیان نے بتایا۔ گلناب عالم نے فق چہرے سے اس کی بات سنی۔

"اگر ایسی بات تھی تو اس نے تم سے شادی کیوں کی۔"

"وہ کہتی ہے اس نے اپنے ماں باپ کے دباؤ کی وجہ سے مجھ سے شادی کی ہے اور اب وہ مجھ سے طلاق چاہتی ہے۔" سن کر گلناب عالم سن سی رہ گئیں۔

"کیا... اسے طلاق چاہیے؟" وہ بڑبڑائیں۔ اور عین اسی وقت زیان ان کے سینے سے لگ کر رونے لگا۔ گلناب عالم کے چہرے کا رنگ بدل کر سفید ہو گیا۔ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"زیان۔" ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ زیان کی حالت دیکھ کر۔ "تم ریلیکس ہو جاؤ زیان۔ تھوڑا... تحمل سے بتاؤ... کب ہوا سب... کیسے ہوا؟"

زیان کو دیکھتے دیکھتے ان کی آواز روہانسی ہو گئی۔

"وہ مجھے پسند نہیں کرتی... اس نے شادی سے پہلے میرے آفس آکر بتایا تھا اور شادی کے بعد بھی... وہ چاہتی تھی کہ میں اسے طلاق دے دوں... میں نے انکار کر دیا... اور آج... آج وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ممی۔"

"لیکن تمہارے ساتھ سیر کے لیے جاتے وقت تو وہ بہت خوش تھی۔"

"پھر پتا نہیں اس نے ایسا کیوں کیا میرے ساتھ ممی... کیوں کھیلا اس نے یہ کھیل میرے ساتھ۔"

"ایک لڑکی ایسا کبھی نہیں کرے گی زیان... طلاق کوئی عام چیز تو نہیں۔" وہ پریشان تھیں کہ اچانک اتنا سب کچھ کیسے ہو گیا ہے۔ کیوں ہو گیا ہے۔ وہ زیان کی بات پر یقین کریں تو کیسے؟ نہ کریں تو کیوں...؟

"کیا نگار بتا کر گئی ہے کہ وہ کہاں جا رہی ہے... کچھ اندازہ ہے تمہیں؟" انہوں نے پوچھا۔ زیان نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"نہیں مجھے کچھ پتا نہیں ممی... کہ وہ کہاں گئی ہے۔" گلناب عالم کے چہرے کے تیور بگڑنے لگے۔

"یعنی اسے اب طلاق چاہیے۔" وہ بڑبڑائیں پھر زیان سے کہنے لگیں۔ "میں نے شادی پر بہت سی باتوں کو صرف تمہارے لیے برداشت کیا زیان... تمہاری خوشی کی خاطر اپنی آدھی ناک کٹوائی ہے میں نے... اب میں اس لڑکی کو اپنی پوری ناک کاٹنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"چنگیزی! ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے... اور تم زیان کا خیال رکھو۔" انہوں نے گرج کر کہا اور اشارتاً بھی چنگیزی کو تاکید کی کہ زیان کا خاص خیال

رکھے۔ کمرے سے نکلتے وقت انہوں نے پیچھے پلٹ کر زیان کو دیکھا۔ وہ اپنا ماتھا تھامے کرسی پر نڈھال سا بیٹھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر آئے۔ اور نگار کو سوچتے ہوئے ماتھے پر غصے سے شکنیں نمودار ہو گئیں۔ اس سب کے باوجود انہیں بری طرح سے محسوس ہو رہا تھا کہ واقعے میں کوئی ایک آدھ جز ضرور ایسا ہے۔ جس سے وہ بے خبر ہیں۔

کمرے کا دروازہ بند ہوا تو زیان خلاؤں میں دیکھ کر مسکرانے لگا۔

☆ ☆ ☆
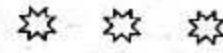
موٹے اور برگزیدہ درخت بھی باریک تنوں کی مانند نظر آتے اور پھر اوجھل ہو جاتے۔ ٹرین تیز رفتاری سے چلتی چلتی پلک جھپکتے میں راستوں اور سنگ میلوں کو ماضی کا حصہ بنا رہی تھی۔ دھول تھی کہ اٹھتی ہی جاتی تھی۔ قبرستان تھے کہ ایک کے بعد ایک آتے ہی جا رہے تھے۔ وہ سب دیکھ رہی تھی۔ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے' ساکت کھلی آنکھوں سے.... اور جیسے کچھ بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ یونانی تراشیدہ ان اعلا مجسموں کی طرح ہو چکی تھی جن میں بس سانسوں کی کمی کا گمان ہوتا ہے۔ اس میں ایک اضافی کمی دھڑکنوں کی بھی تھی۔ اردگرد سے بے نیاز' خود سے بے گانہ' کانٹوں سے اٹا جنگل اور اس دہشت زدہ جنگل سے نکلنا آسان نہیں تھا۔

رات کے اندھیرے میں صبح کا سورج حمد و ثنا پڑھنے میں مصروف تھا' جب وہ خستہ حال مسجد کے قریب پڑے پتھر کے ساتھ پتھر ہوئی' جدا ہوئی۔ اپنے تر بتر وجود کے ساتھ۔ شنگرفی پھولوں کو رات کی سیاہی چاٹ گئی تھی۔ سنہری پیال نم ہو کر زمین کی آغوش میں تھی۔ اسے اپنا آپ بھی اسی پیال کی مانند لگا۔ بے زر.... بے فائدہ.... پھٹکارا ہوا سا۔

چلتے چلتے اپنے قریب سے گزرتی گاڑی کو اس نے روکا نہیں تھا۔ بلکہ وہ خود ہی رک گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے سفر کے بعد وہ ٹیکسی میں بٹھا دی گئی "پنڈی اسٹیشن" وہ یہاں بھی اتنا ہی کہہ سکی۔ اور باقی کے تمام سفر میں خاموش اور مدہوش رہی۔ خلا کا سارا ہولناک سناٹا اس نے محسوس کیا تھا۔ زمین کی دھڑکنوں.... لاوے کی بہرہ کر دینے والی آواز کو اس نے سنا تھا۔ اب اس کے دل سے جہنم کا خوف بھی نکل گیا تھا۔

پنڈی اسٹیشن پر اتر کر اس نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی کھینچ کر اتاری اور ٹیکسی ڈرائیور کی طرف بڑھا دی۔ ڈرائیور اسے روکتا ہی رہ گیا تھا اور وہ آگے بڑھ آئی تھی۔ اب ٹرین میں بھی وہ اسی گومگو کی کیفیت میں بیٹھی تھی۔ باہر کی خاموشی' اندر کا شور۔ چھاؤں بدلتی دھوپ.... اور اجڑے درخت.... ان ہی درختوں کی طرح اجڑی ہوئی وہ خود بھی۔

کبھی وہ مکمل تھی۔ یہ زعم فنا ہو گیا تھا۔ اس کے گھاؤ آہستہ آہستہ بھر جائیں گے۔ ایسا کوئی اسم اعظم اس کے ہاتھ آنے والا نہیں تھا.... وہ پھر سے پاک دامن ہو جائے گی۔ کر دی جائے گی.... ایسے طبیب تک اس کی رسائی روز قیامت تک نہیں ہونے والی تھی۔

سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے لگائے اس نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ دو آنسو جاری ہوئے۔ اور پھر نجانے کتنے ہی۔ اس نے انہیں صاف نہیں کیا۔ چھپایا بھی نہیں۔ وہ اللہ کے علاوہ اب کسی کے روبرو نہیں تھی۔ اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔ خاموشی سے بے آواز وہ پورے سفر میں روتی رہی اور وہ سفر کس قدر لمبا تھا۔ دنوں' سالوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے۔ نگار کی زندگی سے بھی زیادہ لمبا۔ وہ پٹریاں کہکشاں پر جا کر رکیں گی۔ اسے اندازہ نہیں تھا۔

جس وقت وہ اپنے گھر کے قریب پہنچی۔ سورج عروج پر تھا۔ تنگ گلی اسے اس حالت میں دیکھ کر وسیع ہو گئی۔ در و دیوار پرے پرے ہٹ گئے۔ حاجرہ خالا نے اسے دور سے آتے ہوئے دیکھا اور مسکرا کر گلے سے لگا لینا چاہا۔

"اکیلی آئی ہو نگار.... زیان ساتھ نہیں آیا۔"

انہوں نے پوچھا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ نہ ہی ان کے گلے لگ سکی۔ سیدھ میں چلتی وہ آگے بڑھتی گئی۔ اس

نے بے اعتنائی نہیں برتی تھی۔ اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی سنا تھا۔ حاجرہ خالا حیران حیران سی اسے دیکھنے لگیں۔

بابا.... اماں.... ہمایوں ان سب کے بارے میں سوچتے سوچتے گھر کی دہلیز پار کرتے وقت اس نے خود پر بندھے ضبط کے سارے بند توڑ ڈالے۔

"میں ان سے کچھ نہیں چھپاؤں گی.... میں انہیں سب بتادوں گی.... سب کچھ.... بنا جھجکے.... چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا کر.... اور پھر ان کے گریبان پکڑ کر ان سے جواب طلب کروں گی۔ اس سب کے ذمے دار یہ بھی ہیں.... ہمایوں بھیا.... اوہ لالہ میں نے کہا نہیں تھا کہ انتقام کا کالا موتیا آنکھوں میں اتر آئے تو بہت زیادہ خون بہا ادا کرنا پڑتا ہے.... زلیخا جی.... آپ کی دعائیں کیا ہوئیں.... کس بہتر زندگی کی طرف دھکیلا ہے آپ نے مجھے.... یہ کیسی زندگی چن کر دی ہے آپ نے جس نے میری سانسیں بھی مجھ پر تنگ کر دی ہیں.... خدایا.... دیکھیے آپ کی بیٹی کے ساتھ کیسے پکے رنگوں کی ہولی کھیلی گئی ہے۔ اور اب اس ہولی کے داغوں کو کس بل سے دھوؤں میں....؟

دروازہ پھلانگ کر وہ صحن میں داخل ہوئی۔ اور اس کی خود ساختہ پکار اس کے سینے میں ہی کہیں دم گھوٹ کر رہ گئی۔ اسے کسی کو پکارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ دروازے کی آہٹ پر ہی سب کے سب باہر آ گئے تھے۔ وہ جیسے کب سے اس کے منتظر تھے۔ اپنے اپنے چہرے بیگانے کیے۔ جن میں اس کے لیے پیار کی کوئی رمق باقی نہیں بچی تھی۔ یک لخت نگار کو اندازہ ہوا کہ اسے کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ رو رو کر نہ چیخ چیخ کر۔ نہ خاموشی سے نہ آنسو بہا کر اور نہ غم زدہ صورت دکھا کر اس کی چیخوں سے کوئی آسمان نہیں اٹھے گا۔ البتہ زمین ضرور پھٹ کر اس کے لیے ایک قبر بن جائے گی۔ وہ سب.... سب کچھ جانتے ہیں۔ اور کافی سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ اسے جیسے انہیں دیکھتے ہوئے ادراک ہوا۔

وہ تو تمام سفر یہ ہی سوچتی آئی تھی کہ اس کے ساتھ کھیلا جانے والا کھیل وہ اب ختم کر کے آئی ہے۔ جس میں اسے مات ملی ہے۔ عمر بھر کی۔ لیکن گھر کے صحن میں پہنچ کر اس نے جانا کہ زیان کی بچھائی بساط میں ابھی تو صرف مہرے ہی آگے کو سرکے ہیں۔ بہت لمبا کھیل تو شاید ابھی باقی ہے۔

☆ ☆ ☆

ابابیلیں پھڑپھڑا کر اس کے سر پر سے گزر گئیں۔ وقت نے بھی ایک بار تھم کر سرگوشی سی کی تھی۔ "کیا ہونے والا ہے؟"

صحن میں ساکت و جامد کھڑے وہ اپنے ہی گھر والوں کو دیکھنے لگی۔ ان کی اجنبی نظروں کو بھی۔ اس کی آمد کی خبر ہوا نے یا کسی اور نے جیسے اس کی آمد سے بھی پہلے ان تک پہنچا دی تھی۔ کیا ان تک باقی کے حالات و واقعات بھی پہنچا دیے گئے تھے؟ اگر ایسا ہی تھا تو انہیں کس طرح بتایا گیا تھا کہ اب وہ اسے سینے سے لگانے کے بجائے اس سے دور دور کھڑے تھے۔ تھوک نگل کر وہ خود ہی آگے بڑھی۔

زلیخا بی کے پیچھے ہمایوں بھی اس کی طرف لپکا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس نے اس کے منہ پر دے مارا۔ وہ لڑکھڑا کر پلٹی۔ تھپڑ سے زیادہ تکلیف کسی اور چیز کی تھی۔ گال پر ہاتھ رکھے اس نے حیرت سے ہمایوں کو دیکھا۔

"ہمایوں بھیا۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ زلیخا بی نے بھی آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے بری طرح جھنجھوڑا۔

"تو یہاں کیا کر رہی ہے بدذات۔" وہ چلائیں اور نگار حیرانی کی آخری حد پر پہنچ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"زیان کو بتائے بنا کیوں نکلی وہاں سے.... اور تجھے طلاق چاہیے 'بے غیرت۔" زلیخا بی نے بھی اسے ایک تھپڑ مارا۔

"اماں....!!" وہ زلیخا بی کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی لیکن انہوں نے اسے دھتکار دیا۔

"دور ہو جا مجھ سے۔"

"بابا....!" وہ بابا کے قریب ہوئی۔ جو آج اسے ایسے

دیکھ رہے تھے جیسے پہلی بار دیکھ رہے ہوں۔

"مجھے دکھ ہے کہ تم میری بیٹی ہو۔۔۔ اس سے بہتر تھا کہ تم مر جاتیں یا مجھے موت آجاتی۔" بابا نے دونوں طرف سے جیسے اسے ہی موت کی بددعا دی تھی۔ وہ بیگانگی سے سب کو دیکھنے لگی۔ ہمایوں نے اسے بالوں سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلا تھا۔

"چل نکل، بے حیا۔۔۔" وہ دھاڑا۔

"تو اصل تماشا اب شروع ہوا ہے۔" حال کے ثانیوں نے مستقبل کے لمحوں سے کہا۔

☆ ☆ ☆

"زمل۔۔۔" اسے پھر سے پکارا گیا تھا۔

وہ کسی غار کے دہانے کے قریب کھڑی تھی اور اندر نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس کی معصوم آنکھوں میں خوف بھرا ہوا تھا۔

"زمل۔۔۔" غار کے اندر سے آواز آئی۔ بھیانک آواز۔۔۔ وہ ڈر کر پرے ہو گئی۔ اور عین اسی وقت کسی نے اسے دھکا دے کر غار کے اندر دھکیل دیا۔ وہ گرتے گرتے بچی اور ڈرتے ڈرتے آگے بڑھنے لگی۔

"اندر آجاؤ زمل۔۔۔" اسے بلایا گیا۔ اندھیرے میں وہ اندھی ہو گئی۔ غار کی تاریکی میں اسے کچھ بھی سجھائی ہی نہیں دے رہا تھا اور نہ ہی اس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ آواز دینے والا کون ہے۔ وہ آواز انسانی تو ہرگز نہیں تھی۔ زمل نے جلد ہی اس آواز کے حلق کو پا لیا۔ وہ ایک بہت بڑے سائز کا درخت تھا۔ زمل نے اپنی پوری زندگی میں اتنا بڑا درخت نہیں دیکھا تھا۔ اس کا تنا بے پناہ وسیع تھا اور اس کی شاخیں آسمان کو چھوتی تھیں۔

"قریب آؤ زمل۔۔۔" اس درخت نے پیار سے اسے پکارا۔ وہ سہم سہم کر آگے بڑھی۔ لیکن اس کا پیار ایک فریب تھا۔ جوں ہی وہ اس کی حدود کے اندر داخل ہوئی۔ درخت کی جٹاؤں نے اسے مضبوطی سے جکڑ لیا۔ وہ اپنا آپ چھڑانے لگی۔ لیکن مضبوط جٹائیں اس کے وجود کی گرد بل دینے لگیں۔ پھر اس کی گردن کے گرد۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور آخری سانس لینے سے

پہلے اس نے مکمل جان لگا کر ایک چیخ مار دی۔

"کیا ہوا۔۔۔ کیا ہوا زمل بیٹی۔۔۔" نانو بھاگی بھاگی اس کے کمرے میں آئیں۔ وہ لحاف میں خود کو چھپائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ نانو نے لائٹ آن کی، پھر تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔

"کوئی برا خواب دیکھ لیا کیا۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی۔۔۔" اس نے بتایا۔ ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ اور آنکھوں میں آئے آنسو۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ خواب بہت جلد حقیقت کا روپ دھارنے والا ہے۔

"تم میرے کمرے میں آجاؤ۔"

"نہیں کوئی بات نہیں نانو۔۔۔ میں اکثر رات میں ڈر جایا کرتی ہوں۔" وہ بمشکل بولی۔

"ضد مت کرو۔۔۔ اٹھو آجاؤ۔۔۔ اب مجھے بھی نیند نہیں آئے گی۔ ساری رات تمہارے بارے میں سوچتی رہوں گی۔" نانو نے اسے اٹھایا۔

"میں ڈیڈ کو فون کرلوں؟ میرا دل کر رہا ہے ان سے بات کرنے کو۔" وہ ایک دم سے ہی رونے لگی۔

"زمل میری جان۔۔۔ اس طرح روؤ تو مت۔" نانو اداس ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے تم اپنے ڈیڈ سے بات کرلو۔ پھر میرے کمرے میں آجانا۔" نانو کہہ کر چلی گئیں۔ اس نے سیل فون اٹھا کر ڈیڈ کو کال کی۔

"ڈیڈی۔۔۔" اس سے اتنا ہی کہا گیا۔ پھر وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے اس ایک لفظ میں بہت کچھ تھا۔

"ڈر گئی ہو نا۔۔۔" انہوں نے پوچھا۔ زمل پھر سے بے اختیار رونے لگی۔

"سدیم بھی نہیں رہا اب تو۔۔۔ نہ میں ہوں وہاں۔۔۔ پھر کس کے پاس جاؤ گی تم۔" انہوں نے پوچھا۔ وہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

"کیوں ضد کر رہی ہو۔۔۔ واپس آجاؤ۔۔۔ چھوڑ دو این جی او کے ورک۔۔۔"

"میں آپ کے پرانے گھر گئی تھی۔۔۔" اس نے انکشاف کیا۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"ماڈل ٹاؤن۔" اس نے مزید بتایا۔
"کیا کرنے گئی تھیں تم وہاں....؟"
"پتا نہیں۔" وہ نہ جھوٹ بولنا چاہتی تھی نہ سچ بتا سکتی تھی۔
"کیا وہ گھر اب بھی ویسا ہی ہے۔ بڑا ہال.... بڑا فانوس.... گول سیڑھیاں۔"
"جی وہ بالکل ویسا ہی ہے۔" اس نے غلط بیانی کی۔ وہ ڈیڈ کو پاکستان آنے پر اکسانا چاہتی تھی۔
"پر میں وہاں کیسے آسکتا ہوں۔ وہاں تو آوازیں بھی وہی ہوں گی۔"
"کیسی آوازیں؟" اس نے پوچھا۔
"ایک لڑکی کے رونے کی آوازیں۔" بتایا گیا۔
"کس لڑکی کے رونے کی آوازیں۔" اس نے پھر پوچھا لیکن جواب نہیں آیا۔
"کس لڑکی کی بات کر رہے ہیں آپ ڈیڈ۔" وہ بے قراری سے بولی۔
"ڈیڈ کہاں ہیں آپ....؟ کیا آپ مجھے سن رہے ہیں؟" وہ چلائی گئی۔ رابطہ منقطع ہو گیا تھا جو بار بار نمبر ڈائل کرنے پر بھی دوبارہ نہ جڑ سکا۔
زیان عالم نے گرجتی آواز سے ڈیوڈ کو بلایا۔
"جی سر۔" ڈیوڈ مودب انداز سے بولا۔
"یہ نیچے سے کیسی آوازیں آرہی ہیں۔"
"کون سی آوازیں سر.... نیچے تو کوئی بھی نہیں ہے۔"
"نہیں.... غور سے سنو.... آوازیں آرہی ہیں.... ایک لڑکی رو رہی ہے نیچے.... کیا نام تھا اس لڑکی کا.... کیسے بھول گیا میں اس کا نام۔"
"نیچے کوئی لڑکی نہیں ہے سر...."
"تم نے مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے۔" وہ چلائے۔
"جاؤ جا کر دیکھو.... اسے کہو نہ روئے.... تیس سال ہو گئے۔ کوئی اتنی مستقل مزاجی سے کیسے رو سکتا ہے۔"
"نیچے ہال خالی ہے سر۔"
"دفع ہو جاؤ یہاں سے.... تم سب کے سب جھوٹے ہو۔ ملے ہوئے ہو آپس میں۔ کیا میں بہرہ ہوں.... مجھے سنائی نہیں دیتا.... سنو کوئی اب مجھے بلا رہا ہے.... اسے کہو زیان آتا ہے۔" ڈیوڈ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔
"کس کی آواز تھی یہ.... ہاں ممی کی.... میری ماں کی.... گلناب عالم کی.... سنو.... غور سے سنو.... تمہیں بھی سنائی دے گی.... وہ چیخ رہی ہیں۔
"چنگیزی! زیان کو بلاؤ نیچے۔"

٭ ٭ ٭

بڑے ہال کے بڑے روشن فانوس کے نیچے گلناب عالم بے قراری سے چکر لگا رہی تھیں۔ جب ہمایوں نے نگار کو ان کے قریب لا کر پٹخا۔ وہ ان کے قدموں کے قریب گری۔ گلناب عالم چلتے چلتے رکیں۔ انہوں نے نگار کو دیکھا۔ غصے سے 'نفرت سے نخوت سے اور بے رحمی سے۔
"تم اس قدر گر جاؤ گی نگار.... مجھے اندازہ نہیں تھا۔" انہوں نے کہا۔
"کیا واقعی میں اتنا گر گئی ہوں کہ اب ہر کوئی اس بات کو میرے چہرے سے پڑھ سکتا ہے۔"
"میرا بیٹا وہاں تمہیں پاگلوں کی طرح تلاش کر تا رہا ہے اور تم یہاں ہو۔" انہوں نے چلا کر اسے بتایا۔
بابا زلیخالی اور ہمایوں اس کے ارد گرد کھڑے تھے۔ وہ ان سب کے نرغے میں پھنسی تھی۔ جب چار اطراف سے پتھر برسائے جائیں تو مضبوط سے مضبوط چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ وہ تو تب ہی ٹوٹ گئی تھی جب بابا نے اس کے یا اپنے مرنے کی تمنا کی تھی۔ اسے پتا تھا۔ اب کچھ بھی کہنا بے کار ہے۔ زیان انتہائی مہارت سے یہ کھیل کھیل رہا تھا۔ اس کی کسی بات پر بھی یقین نہیں کیا جائے گا۔ اس کے باوجود اس نے بھیگی آنکھوں سے اپنے موقف کے لیے لب کھولے۔
"زیان نے میری بے حرمتی...." وہ جملہ بھی پورا نہ بول سکی۔ اور یہ جملہ ادا بھی اس طرح ہوا تھا کہ الفاظ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ اس پر یقین نہ کیا جائے۔ گلناب عالم نے اچنبھے سے پہلے اسے دیکھا۔ پھر نخوت سے ایک ہنکارا ابھرا۔

"دیکھا! کیا کہہ رہی ہے آپ کی بیٹی... بے حرمتی؟"
بھرپور طنز سے انہوں نے زلیخاں اور بابا کو مخاطب کیا۔ دونوں کے سر شرم سے جھک گئے۔
"دراصل آپ کی بیٹی پاگل ہو گئی ہے.... آپ کی بیٹی ایک نفسیاتی مریضہ ہے۔"
"کیا کہہ رہی ہے بدذات... تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔" زلیخاں نے اسے جھنجھوڑا۔ وہ انہیں واقعی پاگل لگنے لگی تھی۔
"میں جھوٹ نہیں بول رہی اماں۔" وہ رونے لگی۔ "میری بات کا یقین کرو.... وہاں سدیم اور رہشب بھی تھے۔ ان تینوں نے...." نگار کا فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ گلناب عالم نے آگے بڑھ کر ایک بھرپور ہاتھ کا طمانچہ نگار کے منہ پر مارا۔
"بکواس بند کرو اپنی بدکار لڑکی.... کس قدر جھوٹ بول رہی ہو تم.... میرے بیٹے پر اتنا گھٹیا الزام لگاتے تمہیں بالکل بھی شرم نہیں آ رہی.... سدیم تو باپ کی وفات کی وجہ سے شادی پر ہی نہیں آسکا۔ اور رہشب تو فرانس گیا ہوا ہے۔"
وہ اور زور زور سے رونے لگی۔ "بابا میری بات کا یقین کریں۔"
"میرا بیٹا اس کی محبت میں پاگل ہے۔ اور یہ اس پر الزام لگا رہی ہے۔" ہاں وہ پاگل تھا۔ لیکن محبت میں نہیں "انتقام میں" بدلے میں.... اور اب وہ اس پر الزام کیسے لگا سکتی ہے۔ اس نے اسے الزام لگانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا تھا۔
"بابا میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"
"خاموش ہو جا بے غیرت!" ہمایوں پھر سے دھاڑا۔ "اس رشتے میں تیری مرضی شامل نہیں تھی۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں۔"
"میرے بیٹے نے سب کے سامنے اس سے معافی مانگی۔ اور یہ ابھی بھی اس سے نفرت کرتی ہے۔" گلناب عالم چیختی جا رہی تھیں۔
"تو مر کیوں نہ گئی بے غیرت تو مر کیوں نہ گئی۔"
زلیخاں نے بھی واویلا کرنا شروع کر دیا۔ "ایسی بیٹی کا تو خود ہی گلا گھونٹ دینا چاہیے۔"
"کاش مجھے موت آجاتی۔" بابا رونے لگے۔
"اس نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ پہلے طلاق دی ہے اس نے مجھے.... اور اس کے بعد...." ان سب کے درمیان کھڑی روتے روتے وہ اتنی قوت سے چلائی تھی کہ سب اپنا اپنا واویلا بھول گئے تھے۔ بڑے ہال میں یک دم ہی خاموشی چھائی تھی۔ گلناب عالم نے ایسے ایسے دیکھا جیسے اب تو اس کے پاگل ہو جانے میں واقعی کوئی شبہ باقی نہ رہا ہو۔
"چنگیزی... زیان کو بلاؤ نیچے۔" جلال بھری آنکھوں سے گلناب عالم نے گرج کر چنگیزی کو کہا تھا۔

☆ ☆ ☆

شیطان اگر انسان کا روپ دھار لیتا تو اس کا پسندیدہ روپ یقیناً "زیان" ہوتا۔
ریسٹ ہاؤس کے باہر بادل گرج رہے تھے۔ اور ان کی گرج کا طوفان نگار کے سینے میں قید تھا۔ بجلیاں اس کے وجود میں زندگی بھر کے لیے بھر دی گئی تھیں.... وہ سہم کر پیچھے ہو گئی۔ زیان سیڑھیاں اتر کر نیچے آ رہا تھا۔ اس شخص کا چہرہ زندگی میں دوبارہ دیکھنا اس کا مقدر تھا۔ اس سے بہتر تھا کہ اللہ اس کے مقدر پر سیاہی مل دیتا۔ نہ کسی جزا کا سوال باقی رہتا نہ کسی سزا کا۔
پژمردگی سے چلتا ہوا وہ نیچے اترا اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سب خاموشی سے اس کے بولنے کے منتظر رہے۔
"نگار نے مجھے پہلے دن ہی بتا دیا تھا کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے.... اس نے صرف اپنے گھر والوں کے دباؤ کی وجہ سے مجھ سے شادی کی ہے.... اور اب وہ مجھ سے طلاق چاہتی ہے...." وہ سر جھکائے نرم آواز سے بولا اور نگار کا دل کیا کہ اس خبیث کا منہ نوچ لے۔
"مجھے لگا تھا کہ میں شاید.... نگار کو سمجھا لوں گا.... اسے اپنی محبت کا یقین دلا دوں گا لیکن میں غلط تھا.... میں ناکام رہا بابا.... میں ناکام رہا...." وہ خدا یار سے

مخاطب ہوا اور بابا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ نگار اس کے اتنے روپ دیکھ کر سکتے میں آگئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ طمانچے مار مار کر اس کا منہ لہو لہان کر دے۔

"یہ شیطان... یہ ابلیس... یہ جھوٹا ہے... سب جھوٹ بول رہا ہے یہ۔" وہ پوری قوت سے چلائی اور بے بسی سے بھی۔

"ٹھیک ہے... میں جھوٹ بول رہا ہوں... میں واقعی جھوٹ بول رہا ہوں۔" وہ اس طرح اطمینان سے بولا۔ "پھر تم سچ بولو نگار... اپنے بابا کی قسم کھا کر کہو کہ تم شادی سے پہلے میرے آفس نہیں آئی تھیں کہ میں اس رشتے سے انکار کر دوں۔" نگار کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"بولو... جواب دو نگار... کیا تم نہیں آئی تھیں میرے آفس... کیا تم قسم کھاؤ گی اپنے بابا کی..." سب نے نگار کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ بھی نہ بول سکی اور مجرم بن گئی۔ زلیخا بی اونچی آواز میں رونے لگیں۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے ایک بار پھر اپنی شکست تسلیم کر لی۔ قسمت کے دوپٹے میں گرہ باندھ کر اس کے منہ میں ٹھونس دی گئی تھی۔ وہ اللہ سے کسی بھی طرح کی فریاد کرنے سے قاصر تھی۔ اور مکڑی والا لاکٹ جھولتا جھولتا ایک بار پھر... اس کے منہ پر آ گا تھا۔ ساتھ چھوڑتے حواسوں کے ساتھ اس نے اپنی موت کی دعا مانگی تھی۔ ہمایوں تیزی سے جیسے اسے جان سے ہی مار دینے کی نیت سے اٹھا تھا۔ زیان نے اسے روکا پھر وہ نگار کی طرف آیا۔

"اٹھو نگار... بہت تماشا لگا لیا تم نے..." اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔ شیطان نے حیرت سے اس کمینے انسان کو دیکھا۔

"میں سب کچھ بھلا دینے کے لیے تیار ہوں۔ اور ابھی بھی تمہیں اپنانا چاہتا ہوں... اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی..." شیطانیت کی ایک جھلک زیان کی آنکھوں میں آ کر گزر گئی۔ وہ کتنا مزہ لے رہا تھا ہر بات کا۔ اس چیز کا نگار کو بخوبی اندازہ تھا۔ بند ہونٹوں کے کونے میں مسکراہٹ دبائے وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آؤ نگار! اوپر چلتے ہیں... وہاں جا کر بات کرتے ہیں۔" اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور پھر پیار سے اسے سہلانے لگا۔ نگار نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا تھا۔ ایک سسکاری اس کے وجود سے نکل کر اس کے وجود میں ہی دفن ہو گئی تھی۔

"آپ اسے لے جائیے زیان... یہ اب یہیں رہے گی..." ہمایوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"میرے گھر میں اب تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے نگار۔" بابا نے بھی اسے بتایا۔

اسے اب منہ چھپانے کے لیے بھی جگہ نہیں ملنے والی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ زیان نے ٹھیک کہا تھا کہ زمانہ تمہیں بتائے گا کہ کون گھٹیا ہے۔ اب زمانہ ہی اسے بتا رہا تھا کہ وہ کتنی گھٹیا ہے۔ اس زمانے میں سب اس کے اپنے ہی شامل تھے۔ دور، بہت دور... قوسی سلاخ دار کھڑکی کے قریب بیٹھے بوڑھے وجود نے ماضی کی نگار کو دیکھا اور چوبی نقش و نگار پر پھرتے اس کے ہاتھ کانپ کانپ گئے۔ موسم نے آہیں بھریں اور جہان نے قیامت کے روز کی مشق کرنا شروع کر دی۔ دراوڑیں آنکھوں میں ہر طرح کا جذبہ کافور ہو گیا۔ مروارید برادہ جل کر خاکستر ہو گیا اور جھریوں کی لائنیں برگد کی جڑوں کی طرح چہرے پر پھیلنے لگیں۔

یوں چپ بیٹھے بیٹھے ہی نگار نے تاعمر زبان کی بندش کی قسمیں اٹھا لیں۔

"آؤ نگار... اوپر کمرے میں چلتے ہیں۔" اس نے پیار سے کہا۔ دلی مسکراہٹ سے جسے صرف نگار ہی دیکھ سکتی تھی۔ آنکھوں میں رقم "تم کتنی مضبوط ہو جان جاؤ گی۔" جسے صرف نگار ہی پڑھ سکتی تھی۔ وہ اب واقعی مضبوط نہیں رہی تھی۔ اس کے آگے بے بس تھی۔

"چلو نگار کمرے میں..." زیان زبردستی اس کا ہاتھ

پکڑ کر کھینچنے لگا۔

"کمرے میں.... کمرے میں.... کمرے میں" بازگشت زہریلے ناگ کے ڈنک کی طرح اس کے وجود میں اتر گئی۔

اس شخص نے روحانی اور باطنی دونوں طرح سے اس کی عزت کو لوٹا تھا۔ کیا ابھی بھی اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اور اب وہ اس شخص کے آگے گھٹنے نہ ٹیک دے تو کیا کرے۔ اس کے آگے ہاتھ نہ جوڑے تو کیا کرے.... تاکہ اسے اس پر رحم آجائے۔ اور وہ اسے معاف کردے۔ اپنے حلق کا سارا تھوک نگار نے اپنے منہ میں اکٹھا کیا اور نفرت سے زیان کے منہ پر تھوک دیا۔ جھاگ دار مادہ زیان کے منہ پر گرا۔ زیان نے اس کی طرف لاوا ابلتی آنکھوں سے دیکھا۔ گلناب عالم اور باقی سب نے اس سے بھی بڑھ کر کسی اور نظروں سے۔ زیان نے آستین سے چہرے پر لگا تھوک صاف کیا۔ اس کی آنکھیں اور چہرہ سرخ تھا۔ کیا اس لڑکی کو چائے گرانے کا بدلہ اچھا نہیں لگا۔ کیا یہ کچھ زیادہ کی خواہش رکھتی ہے۔ اسے اس پر طیش آیا تھا۔ تو کیوں نہ اس کی خواہش پوری کردی جائے۔ اس نے سوچا۔

"اب تو تمہیں میرے ساتھ جانے سے اللہ بھی نہیں روک سکتا۔" اس نے اسے ہاتھوں سے پکڑ کر سیڑھیوں کی طرف کھینچا۔

عین اسی وقت ایک اجنبی جو بڑی دیر سے لاؤنج کے کونے میں کھڑا سب تماشا دیکھ رہا تھا اور جس کے ہاتھوں میں ان دونوں کی شادی کا ہی گفٹ تھا۔ آگے بڑھا تھا۔ زیان سے نگار کا ہاتھ چھڑا کر اس نے زیان کے منہ پر ایک زوردار قسم کا تھپڑ مارا تھا۔ زیان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"خدا کی ڈھیل کو اس کی کمزوری مت سمجھو زیان۔" انہوں نے کہا۔ نگار کے بت ہوئے وجود میں حرکت ہوئی۔ اس نے بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا اور پھر ان کے سینے کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ اجنبی کوئی اور نہیں.... پروفیسر صغیر ربانی تھا۔

☆ ☆ ☆

آف وائٹ ڈریس کو زمل نے بیڈ پر پھیلا کر تفصیل سے دیکھا۔ پھر اس کے ساتھ کی میچنگ جیولری اور سینڈل کو بھی قریب ہی رکھا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے عیاں تھی۔ باسل نے کہا تھا۔ "خاص دنوں کو خاص اہتمام سے منانا چاہیے...." اس نے بھی اپنے خاص دن کو گزارنے کے لیے خاص اہتمام کرلیا تھا۔ شطرنج کو بھی اس نے بہت خوب صورت پیکنگ میں پیک کروایا تھا۔

اس نے ٹائم دیکھا۔ دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ باسل کے آنے میں کم از کم چھ گھنٹے باقی تھے۔ وہ اتنا لمبا انتظار کیسے کرے گی بھلا۔ اس کی بے کلی بڑھنے لگی اور اپنی اس کیفیت پر اسے خود ہی ہنسی آگئی۔ باسل کو اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اور چپکے چپکے راز داری سے سب انتظام کرلیا تھا۔ اپنے ان سارے انتظامات پر وہ مطمئن تھی۔ رات کو وہ باسل سے کہے گی کہ اسے ڈیڈ کے کسی رشتے دار سے ملنے جانا ہے۔ اور راستہ بتاتے بتاتے وہ اسے اس ہوٹل تک لے جائے گی جہاں ایک ٹیبل اس نے آج رات کے لیے بک کروالیا تھا۔ باسل شاکڈ رہ جائے گا۔ وہ پھر سے ہنسی اور اوپر چھت پر آگئی۔ جہاں نانو نے چاندی کی بہت بڑی شیٹ پر پیپل کے دس ہزار پتوں والا خاکہ چھاپ کر کام شروع کیا ہوا تھا۔ لیکن ابھی انہوں نے بمشکل سو پتیوں کو ہی تیار کیا تھا کہ تھکن کے ساتھ ساتھ انہیں اکتاہٹ بھی ہونے لگی۔ تقریباً "نو ہزار نو سو پتیاں ابھی باقی تھیں۔

انسان میں درخت جتنا حوصلہ بھلا کہاں ہے کہ وہ اپنی ذات تیاگ کر اپنی روح سے کشید کر کے دوسروں کے لیے پتوں کو سینچے' انہیں اپنے اس نئے خاکے کو شروع کرنے سے پہلے ہی بہت الجھن ہو رہی تھی۔ اب انہیں نئے نئے تجربات نہیں کرنے چاہئیں۔ دو تین اس طرح کے کام سالوں سے التواء کا شکار تھے۔

باریک بنی اور نفاست سے کرنے کی شرط کے باعث ان کی نظر بھی متاثر ہونے لگی تھی۔ یہ تمام کام اب انہیں ذہنی اور جسمانی دونوں طرح سے تھکانے لگے تھے۔ لیکن اب وہ چاندی کی مہنگی شیٹ کو خراب یا برباد بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے وہ جیسے تیسے کر کے خاکہ مکمل کر رہی تھیں۔

"آئندہ اتنے طویل کاموں کو میں اپنے ذمے نہیں لوں گی۔" انہوں نے خود سے کہا۔

جاتی سردیوں کے دن تھے۔ دھوپ بڑی روشن بڑی اجلی اجلی سی تھی اور چھت پر جا بجا لگی مخملی سبز کائی اور خودرو کھمبیوں پر پڑ کر انہیں منور کر رہی تھی۔

"یہ کیا ہے نانو؟" زمل نے پوچھا۔ آج زمل کو کہیں نہیں جانا تھا' یہ جان کر نانو نے دکان سے پھر چھٹی کر لی تھی۔ زمل کی وجہ سے وہ سالوں بعد خود کو ایسی رعایت دے رہی تھیں۔ اور اس رعایت میں بھی وہ دکان کا کام ہی مکمل کرنے بیٹھ گئی تھیں۔

"یہ لیمپ ہے زمل... فرشی لیمپ... دس ہزار پتوں کے خاکے والا... جب شیٹ تیار ہو جائے گی تو اسے آڑا موڑ لیا جائے گا۔ آڑا سمجھتی ہو نا... ہاں... اور پھر جب یہ روشن ہو گا تو دیکھنا کس قدر خوب صورت لگے گا۔" نانو تفاخر سے اسے بتانے لگیں۔ زمل دیکھ رہی تھی کہ شیٹ پر کام کس قدر محنت سے کیا جا رہا ہے۔

"میں بھی تھوڑی کوشش کروں۔" اس کے سوال میں التجا تھی۔

"ہاں... ہاں... کیوں نہیں... بیٹھو ادھر میرے ساتھ۔" نانو نے پیار سے کہا۔ وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔ ہاتھ میں پکڑے دونوں اوزار انہوں نے زمل کو تھما دیے۔

"یہ پکڑو... اسے یہاں رکھو... پتے کے خاکے کے اوپر... اب ہلکی ہلکی ضرب لگاؤ... پتے والی جگہ کو خالی کرنا ہے۔" اس نے ایسا ہی کیا جیسا نانو اسے کہہ رہی تھیں... لیکن اختتام کی ضرب کچھ زیادہ ہی زور دار ہو گئی۔ جو کہ نہیں ہونی چاہیے تھی... چاندی کی مہنگی شیٹ میں اوزار کی دھار پتے کی حدود سے باہر نکل گئی اور زمل کا رنگ فق ہو گیا۔ اسے شوق چرایا بھی تھا تو کس چیز کا۔

"اوہ گاڈ..." وہ چلائی... نانو نے دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔ پھر پہلے ہلکے ہلکے اور بعد میں وہ اونچی آواز میں ہنسنے لگیں۔

"آئی ایم سوری نانو۔" اس نے کہا۔ نانو اور زور سے ہنسنے لگیں۔

"آپ اس طرح سے کیوں ہنس رہی ہیں نانو..." اس کی خفت مزید بڑھی۔ نانو ہنستے ہنستے بمشکل بولیں۔

"تمہاری عادتیں باسل سے ملنے لگی ہیں زمل... وہ بھی میرے کام خراب کر دیتا ہے اور پھر اپنا سر کھجانے لگتا ہے۔" زمل وجہ جان کر ہلکے سے مسکرائی۔

"میں نے آپ کا نقصان کر دیا نا۔"

"پریشان مت ہو... میں درست کر لوں گی۔" وہ ابھی بھی ہنس رہی تھیں۔ چاندی کی لشک دھوپ میں مدغم ہو کر ان کے چہرے پر رقص کر رہی تھی۔ زمل کو وہ چہرہ بہت ہی پرنور سا لگا۔

"باسل اور ریشار خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس آپ ہیں۔" اس نے کہہ دیا۔

"تو تم بھی خوش قسمت ہو جاؤ۔" انہوں نے کن اکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ زمل نظریں چرانے لگی۔

"جاؤ اپنی آنٹی کو کھانا دے آؤ زمل' روٹی بنا کر رکھ دی تھی میں نے ہاٹ پاٹ میں' وہ دے دینا... سالن گرم کرنے کی ضرورت نہیں... ایسے ہی دے دینا۔"

"آنٹی بھی ہمارے ساتھ ہی کھانا کھالیں گی۔"

"وہ کسی کے ساتھ کھانا نہیں کھاتی۔" نانو کے چہرے پر شام سی اتری۔

"میرا مطلب ہے۔ اسے جلدی بھوک لگتی ہے۔ تم دے آؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ نیچے آئی۔ بڑی ٹرے میں اس

نے آلو قیمے سے بھری پلیٹ کو رکھا... رومال میں لپٹی روٹی کو... پھر ایک گلاس پانی سے بھر کر اور ان سب چیزوں کو کپڑے سے ڈھانپ کر وہ گنگناتی ہوئی کچن سے باہر نکلی۔

☆ ☆ ☆

کہکشاں کے آٹھویں برج... کثردم سے ڈسا سورج ... پشمینہ اوڑھے اپنے سارے عود دان الٹے۔ چپ کی نگری بسائے ساکت تھا۔ درخت کی تمام پرجاتیوں میں اس کی خیر خواہی کے چرچے تھے۔

برگد بھی ان ہی میں سے ایک تھا۔ اسے بدلاؤ کی طلب تھی۔ پانی کی التجا تھی۔ اور اس کی جڑیں پانی کی تلاش میں اپنے وجود کے بھیتر اس قدر وسیع ہو چکی تھیں کہ اگر اس کا تھالا بنتا تو وہ اس پورے مکان کو نگل گیا ہوتا۔ اس سال خوردہ کھڑکی کو۔ اس غم خوردہ بوڑھے وجود کو بھی۔

جواب اسے دیکھتے ہوئے استہزائیہ ہنسی ہنس رہی تھی۔ جیسے اس کے اندر کی التجا کو سنتی ہو۔ برگد کو وحشت سی ہوئی۔ وہ اپنے بوڑھے لب کھولنے کے لیے بے چین تھی۔ نجانے بادلوں نے اس کا ساتھ کیوں دیا۔

صاعقہ نے رقص شرر کیا۔ اور بوڑھے وجود کی دونوں آنکھیں چمک اٹھیں۔

"پرشوتم... سایہ گوتم
ابن مریم سے کہہ دو... خدا کے اس معجزے سے
میری عزت کے ساتھ کھیلنے والے وہ تین تھے...
تین
سدیم... یشب... اور زیان عالم..."

بوڑھے وجود نے بادلوں کی طرح گرج کر کہا اور کچھ چیزوں نے فرش پر گر کر اس سے بھی بڑھ کر شور کیا۔ وہ شور بڑا گونج دار تھا۔ دنیا کے دوسرے کونے سے ٹکرا کر تھما تھا۔ بوڑھے وجود نے برگد سے نظریں اور سلاخ دار کھڑکی سے چہرہ ہٹا کر بڑی آہستگی سے دروازے کی طرف دیکھا۔ جہاں ٹرے دو ٹکڑے ہو چکی تھی۔ پانی سے بھرا گلاس، آلو قیمے کی پلیٹ۔ رومال میں لپٹی روٹی سب مٹی زدہ فرش پر گر کر بکھر چکا تھا... اور ان سب کے اوپر کھڑی زمل فق چہرے سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں لامحدود آنسوؤں کا سیلاب امڈا ہوا تھا۔ اور وہ جو پچھلے کافی عرصے سے روز اسے کھانا دینے آ رہی تھی، اب اس کی طرف ایسے دیکھ رہی تھی جیسے یقین اور بے یقینی کے گرداب میں پھنسی ہو۔

پھر وہ لڑکی بھاگتی ہوئی اس تک آئی۔ اور گرد آلود تخت پر اس کے قریب ڈھے سی گئی۔

"کیا کہا آپ نے آنٹی... دوبارہ سے کہیے۔" زمل نے روہانسی آواز میں منت کی۔ نگار ساکت چہرے سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا کہا آپ نے... خدا کے لیے پھر سے کہیے نا۔" زمل رو دینے کے قریب تھی۔ نگار کچھ نہیں بولی۔

"آپ کو خدا کا واسطہ نگار آنٹی... آج تو بولیے۔" اور آنسو اس کی دونوں آنکھوں سے بہہ نکلے... نگار نے آہستگی سے لب کھولے... اور اتنی ہی آہستگی سے کہا۔

"وہ تین تھے... سدیم... یشب... اور زیان عالم۔" الفاظ ابلتے لاوے کی مانند زمل کے کانوں میں اترے اور اس کے بے جان وجود نے کرنٹ سا کھایا۔ جھٹکے سے وہ تخت پر سے اٹھی۔

"نہیں... یہ نہیں ہو سکتا..." وہ نجانے کس سے کہہ رہی تھی۔ نگار نے رخ اس کی طرف سے موڑ کر دوبارہ کھڑکی کے ساتھ جوڑ لیا۔

"یہ نہیں ہو سکتا... ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" نفی میں گردن ہلاتی وہ واپسی کے لیے الٹے قدم لینے لگی۔

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں... آپ جھوٹی ہیں... ایسا نہیں ہو سکتا... ایسا نہیں ہو سکتا..." اور دیوانہ وار چلاتی ہوئی وہ اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

(باقی آئندہ ماہ)